غیر مقلدین

امام بخاری کی عدالت میں

ایک تحقیق ○ ایک تجزیہ

انوارِ خورشید

جمعیۃ اہل سنۃ لاہور

سلسلہ مطبوعات ۵۶

نام کتاب	....	غیر مقلدین امام بخاریؒ کی عدالت میں
مصنف	....	انوار خورشید
صحافت	....	۱۹۲
طبع اوّل	....	شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ، اکتوبر ۲۰۰۱ء
طبع دوم	....	بترمیم واضافہ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مارچ ۲۰۰۳ء
پریس	....	
ناشر	....	جمعیت اھل سنت لاہور
تعداد	....	۱۱۰۰
قیمت	....	

ملنے کا پتہ

مکتبہ قاسمیہ	....	اُردو بازار، لاہور
مکتبہ سیّد احمد شہیدؒ	....	اُردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ	....	نزد مقدس مسجد اُردو بازار، کراچی

انتساب

ترجمانِ احناف حضرت مولانا محمد امین

صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ)

کی روحِ مبارک کے نام ———

جن کے فیضِ صحبت سے بندہ اس قابل ہو سکا کہ

اپنی یہ تالیف اہلِ علم کی خدمت میں پیش کر رہا ہے

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

انوار خورشید

سخنِ گفتنی

غیر مقلدین حضرات اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں جس کا مطلب اُن کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ حدیث کا علم بھی انہی کو ہے اور حدیث پر عمل بھی وہی کرتے ہیں۔
رہے مقلدین تو نہ تو اُن کے پاس حدیث ہے اور نہ وہ حدیث پر عمل کرتے ہیں، غیر مقلدین کا یہ خیال خودرائی اور خود فریبی پر مبنی ہے حقیقت یہ ہے کہ اِن حضرات کو فنِ حدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں، صرف چند متنازع مسائل کو تختہ مشق بنا کر اپنے آپ کو محدث اور عامل بالحدیث سمجھنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے مسائلِ نماز کے احکام بالخصوص نت نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام سے متعلق احادیث دریافت کی جاتی ہیں تو بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور اُن حضرات کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں جنہیں مشرک کہتے نہیں تھکتے۔

اگر اِن حضرات کی حدیث دانی کا تجربہ کرنا ہو تو اِن سے چند مسائل کا حکم دریافت کر کے دیکھ لیجئے آپ کو ان کی حدیث دانی کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

مثلاً اِن سے پوچھئے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ فرض ہے واجب ہے سنت ہے یا نفل؟ اگر کوئی تکبیر تحریمہ کہے بغیر نماز شروع کردے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

نماز میں تکبیر تحریمہ کہتے وقت رفع یدین کرنا فرض ہے واجب ہے سنت ہے یا نفل؟ اگر کوئی رفع یدین کئے بغیر نماز شروع کردے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

نماز میں ہاتھ باندھنا فرض ہے واجب ہے سنت ہے یا نفل؟ اگر کوئی ہاتھ نہ باندھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

نماز کے شروع میں ثنا پڑھنا فرض ہے واجب ہے سنت ہے یا نفل؟ اگر کوئی ثنا نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا فرض ہے واجب ہے سنت ہے یا نفل ہے؟ اگر کوئی ان مقامات پر رفع یدین نہ کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

اگر کوئی رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کی جگہ **سبحان ربی الاعلی** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلی** کی جگہ **سبحان ربی العظیم** کہہ لے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

علی ھذا القیاس یہ پوچھیے کہ ہوائی جہاز میں اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

وہ کیسٹس جن میں قرآن کریم ریکارڈ ہو اُن کو بغیر وضوء کے ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

کیسٹ سے آیت سجدہ سنی تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

روزہ میں انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

ٹیلفون اور انٹرنیٹ پر کیا جانے والا نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ

ان سب مسائل کا جواب یا تو قرآن کریم کی کسی آیت یا پھر کسی صحیح، صریح، مرفوع حدیث سے دیا جائے کسی اُمتی کا قول اور اپنا اجتہاد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ آپ کے بقول اُمتی کی بلا دلیل بات ماننا تقلید ہے جو کہ شرک ہے اور اجتہاد و قیاس کرنا کارِ شیطان ہے جو کہ گمراہی ہے۔

قارئین محترم: غیر مقلدین کا دعوی ہے کہ وہ اہلحدیث ہیں جس کا مطلب ہے حدیث والے اور مقلدین کو وہ اہل فقہ والرائے کہتے ہیں جس کا مطلب ہے فقہ ورائے والے، اس صورت میں اصولی طور پر ہر مسئلہ کی حدیث غیر مقلدین ہی کو دکھلانی چاہئے کہ وہ بزعم خویش حدیث والے ہیں، مگر تعجب ہے کہ یہ حضرات ایک طرف تو ہمیں اہل فقہ کہتے ہیں اور دوسری طرف ہر مسئلہ میں حدیث بھی ہم سے طلب کرتے ہیں جبکہ سرے سے ہمارا دعوئی ہی نہیں ہے کہ ہر مسئلہ کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔

ہمارے عوام کو یہ بات سمجھنی چاہئے اور جب بھی بات ہو حدیث غیر مقلدین سے مانگنی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں یعنی حدیث والے، ظاہر ہے کہ جس کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے اُسی سے وہ چیز مانگی جاتی ہے جب بقول غیر مقلدین کے حدیث

والے وہی ہیں اور حدیث انہی کے پاس ہے تو پھر حدیث اُنہی کو دکھلانی چاہئے، نیز جب بقول ان کے ہمارے پاس حدیث ہے ہی نہیں فقہ ہے تو پھر انھیں ہم سے حدیث کا مطالبہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مقلدین احناف جب غیر مقلدین کو اپنے موقف سے متعلق احادیث دکھاتے ہیں تو اکثر اُن کا مطالبہ ہوتا ہے کہ حدیث بخاری شریف سے دکھائی جائے حالانکہ یہ حضرات بھی علی وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ ہر مسئلہ کی حدیث کا بخاری شریف میں ہونا ضروری نہیں، ایسی صورت میں ہمارے عوام کو چاہئے کہ وہ بخاری شریف سے حدیث دکھانے کا ذمہ لینے کے بجائے غیر مقلدین سے مطالبہ کریں کہ وہ کوئی آیت یا حدیث دکھائیں جس میں ہو کہ حدیث صرف بخاری شریف کی ہونی چاہئے۔

دوسرے ان سے یہ مطالبہ بھی کریں کہ پہلے وہ خود اپنے تمام مسائل کی حدیثیں بخاری سے دکھائیں پھر ہم سے مطالبہ کریں۔

تیسرے انھیں یہ بتائیں کہ آپ حضرات کا تو خود بخاری پر عمل نہیں، عمل تو دور رہا آپ کو تو سرے سے بخاری پر ہی اعتماد نہیں، دیکھئے بخاری کی فلاں حدیث پر آپکا عمل نہیں فلاں پر آپ کا عمل نہیں، امام بخاریؒ کے فلاں اجتہاد پر آپ کا عمل نہیں فلاں پر آپ کا عمل نہیں، ثبوت چاہئے تو یہ کتاب ''غیر مقلدین امام بخاریؒ کی عدالت میں'' پیش کر دیجئے۔

اس کتاب میں حضرت امام بخاریؒ کی حیات طیبہ اور اُن کی کتاب بخاری شریف سے تقریباً ۵۳ مسائل میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ غیر مقلدین حضرات نہ امام بخاریؒ سے اُن کے عقائد و اعمال میں متفق ہیں اور نہ انھیں امام بخاریؒ کے اجتہادات سے اتفاق ہے اور نہ وہ کلیتاً بخاری شریف پر عمل کرتے ہیں، بخاری شریف میں ڈھیروں حدیثیں ایسی ہیں جن پر عمل کرنے کے بجائے یہ لوگ ان کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

قارئین محترم: موجودہ دور کے حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب مسلمان متحد و متفق ہو کر الحاد و دہریت، عیسائیت وصیہونیت کی بڑھتی ہوئی یلغار کا پامردی سے مقابلہ کرتے تاکہ عالم کفر کو مسلمانوں پر جگ ہنسائی کا موقع نہ ملتا لیکن افسوس کہ ہمارے غیر مقلد بھائی

ان پُرفتن اور مہیب حالات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے چند فروعی مسائل کو ہوا دینے اور اُنکا پرچار کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اُن کو ایمان وکفر کا درجہ دے رکھا ہے اس پر مستزاد یہ کہ فقط اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں باقی سب کو فی النار والسقر قرار دیتے ہیں، غیر مقلدین کا یہ غیر محتاط اور جارحانہ رویہ جو انہوں نے ہر جگہ اپنا رکھا ہے وطنِ عزیز ہو یا دیار غیر، یہ ہمیں جواب دینے پر مجبور کرتا ہے، ہماری یہ تحریر بھی سابقہ تحریرات کی طرح اقدامی کے بجائے دفاعی ہے جس میں غیر مقلدین حضرات کو تہذیب وشائستگی کے دائرے میں صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ ایسے دعوے نہ کیا کریں جن پر پورا نہ اتر سکیں۔

راقم الحروف نے یہ تحریر آج سے تین سال قبل دیوبند میں بعض مخلصین کے شدید اصرار پر شروع کی تھی درمیان میں مصروفیات اور موانع پیش آتے رہے جس کی وجہ سے اس کے اتمام میں تاخیر ہوتی رہی، اب اللہ تعالیٰ کی توفیق ومدد سے یہ تحریر پایہ تکمیل کو پہونچ کر آپ کے ہاتھوں میں آگئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو قبول فرما کر راقم کی نجات اور عوام الناس کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور جن احباب ومخلصین نے اس کی تصنیف و طباعت میں حصہ لیا ہے انھیں اپنی شایانِ شان جزاءعطا فرمائے آمین ثم آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

انوار خورشید

فہرست مضامین

آغازِ سخن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ غیر مقلدین حضرات، محدثین کرام میں سے امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے بہت زیادہ عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی کتاب ''الجامع الصحیح'' کو کتب احادیث میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اسی بناء پر ان کا اکثر یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ بخاری شریف سے حدیث دکھائی جائے۔

عقیدت ومحبت کا تعلق دل سے ہے اور دل پر کسی کی اجارہ داری نہیں انسان کے دل میں جس کی عقیدت ومحبت پیدا ہو حق ہے بشرطیکہ محبت برحق ہو اس لحاظ سے ہمیں غیر مقلدین حضرات سے یہ شکایت تو نہیں کہ وہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیوں کرتے ہیں، ہاں یہ شکایت ضرور ہے کہ وہ اپنی اس عقیدت ومحبت کے اظہار میں خام واقع ہوئے ہیں، اس لئے کہ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ محبوب کی ہر بات کو مانا جائے اور محبوب کی ہر ادا کو اپنایا جائے، چنانچہ حضرت رابعہ بصریہ'' فرماتی ہیں

لو کان حبك صادقاً لأطعته
ان المحب لمن یحب مطیع [1]

لیکن جب ہم حالات و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین حضرات حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے حقیقت میں ایسی محبت وعقیدت نہیں رکھتے کہ ان کی ہر بات کو مانیں اور ہر ادا کو اپنائیں کیونکہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی سیرت اور آپ کی کتاب بخاری شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین

---

[1] مرقاۃ ج۹ صفحہ ۲۵۰ تیری محبت اگر سچی ہوتی تو محبوب کی اطاعت کرتا، کیونکہ محب محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔

حضرات چند متنازع مسائل[1] کے علاوہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے نہ تمام عقائد میں متفق ہیں نہ تمام اعمال میں، جہاں ان حضرات کے عقائد واعمال کے خلاف حضرت امام بخاریؒ کا عقیدہ یا عمل پیش کیا جاتا ہے یہ حضرات اس کے ماننے سے صاف انکار کر دیتے ہیں، یہی حال بخاری شریف کا ہے کہ جب بھی غیر مقلدین حضرات کو بخاری شریف سے وہ حدیث جوان کے موقف کے خلاف ہوتی ہے دکھلائی جاتی ہے یا حضرت امام بخاریؒ کا کوئی اجتہاد ان حضرات کے خلاف دکھلایا جاتا ہے تو یہ اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور اس موقع پر ان حضرات کی حضرت امام بخاریؒ سے ساری عقیدت ومحبت کافور ہو جاتی ہے، یہ طرز عمل ایسا ہے جو یقیناً شکایت کا موجب ہے، اسی شکایت کو عوام کے سامنے "غیر مقلدین امام بخاریؒ کی عدالت میں" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے، اس کتاب میں حضرت امام بخاریؒ کی حیات طیبہ اور آپ کی کتاب بخاری شریف کے حوالہ سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ غیر مقلدین حضرات زبان سے ضرور حضرت امام بخاریؒ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے بالکل خلاف ہے، احقر نے "حدیث اور اہل حدیث" کے مقدمہ میں لکھا تھا،

> "راقم کے پاس بخاری شریف کی ان احادیث اور امام بخاریؒ کے ان اجتہادات کی ایک طویل فہرست موجود ہے جن پر غیر مقلدین کا عمل نہیں ہے بخوف طوالت یہاں اس کا تذکرہ ترک کیا جا رہا ہے کسی دوسرے مقام پر وہ فہرست پیش کی جائے گی انشاء اللہ" [2]

ارادہ تو تھا کہ جلد از جلد وہ فہرست نذر قارئین کر دی جائے لیکن عدیم الفرصتی اور دیگر امور کی انجام دہی آڑے آتی رہی، شدید انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے اب وہ فہرست نذر قارئین کی جا رہی ہے یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ بخاری شریف کی احادیث اور حضرت امام بخاریؒ کے اجتہادات کی یہ فہرست سرسری نظر میں مرتب کی گئی ہے اس لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ بس یہی احادیث اور اجتہادات ایسے ہیں جن پر غیر مقلدین

---

[1] مثلاً آمین بالجہر، قراءت فاتحہ خلف الامام، رفع یدین وغیرہ ۔ [2] حدیث اور اہل حدیث صفحہ ۱۰۶

حضرات کا عمل نہیں بلکہ تلاش کرنے پر اور بہت سی احادیث و اجتہادات بھی مل سکتے ہیں جن پر غیر مقلدین کا عمل نہیں۔

قبل اس کے کہ وہ فہرست پیش کی جائے حضرت امام بخاریؒ کے مختصر حالات زندگی پیش کئے جاتے ہیں تا کہ ان کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکے کہ حضرات غیر مقلدین۔ حضرت امام بخاریؒ سے کس قدر متفق ہیں اور اِن کا اُن سے عقیدت و محبت کا اظہار کیسا ہے۔
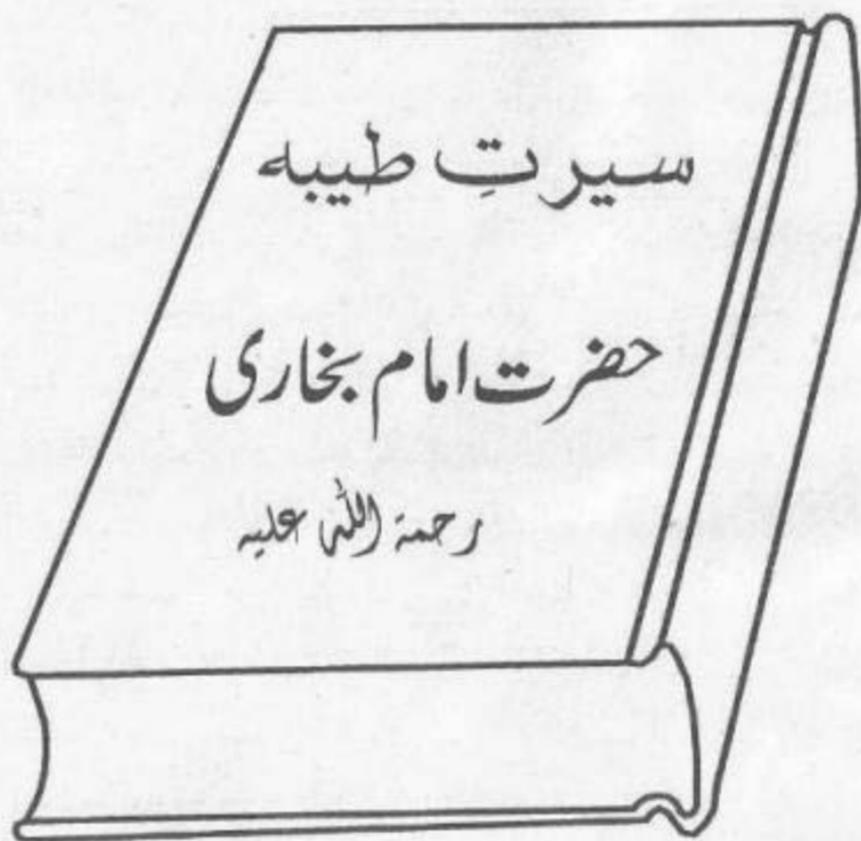
سیرتِ طیبہ
حضرت امام بخاری
رحمۃ اللہ علیہ

سیرت طیبہ حضرت امام بخاریؒ

نام ونسب:

حضرت امام بخاریؒ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام نامی محمد ہے والد کا نام اسماعیل ہے سلسلۂ نسب اس طرح ہے "محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ بن بَرْدِزْبَہْ" بَرْدِزْبَہ مذہباً مجوسی تھے، مجوسیت پر ہی ان کی وفات ہوئی، ان کے صاحبزادہ مغیرہ اس خاندان کے پہلے فرد ہیں جو امیر بخارٰی یمانِ جُعفیؔ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اسی نسبت سے حضرت امام بخاریؒ جُعفیؔ مشہور ہو گئے ورنہ جُعفی خاندان سے اُن کا کوئی تعلق نہیں، قدیم زمانہ میں دستور یہ رہا ہے کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا تھا اُسی سے اُس کی نسبتِ وِلاء متعلق ہو جاتی تھی، احناف اسی کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں اُن کے پاس ابوداود شریف کی یہ روایت ہے

"عن تمیم الداری انه قال یا رسول اللہ ماالسنة فی الرجل یسلم علی یدی الرجل من المسلمین قال هو اولی الناس بمحیاه ومماته" [۱]

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے بارے میں کیا طریقہ ہے جو مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے؟ فرمایا: وہی لوگوں میں اس کی زندگی اور موت میں سب سے اولیٰ ہے۔

علامہ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے دادا ابراھیم کے حالات زندگی معلوم نہیں ہو سکے [۲]، البتہ آپ کے والد اسماعیل اپنے زمانہ میں طبقۂ رابعہ کے محدث شمار

---

[۱] ابوداؤد شریف ج ۲ صفحہ ۴۸ باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل۔ [۲] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۷۷

کئے گئے ہیں، ان کے شیوخ میں امام مالکؒ، امام حماد بن زیدؒ وغیرہ شامل ہیں، آپ کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا، اہل عراق نے اُن سے اکثر حدیثیں روایت کی ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"سمع ابی من مالك بن انس، ورأى حماد بن زيد وصافح ابن المبارك بكلتا يديه"[1]	میرے والد محترم نے امام مالکؒ سے سماع حاصل کیا، حماد بن زیدؒ کو دیکھا، اور عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

حضرت امام بخاریؒ کے والد ماجد اسماعیلؒ اور امام ابو حفص کبیرؒ کے درمیان انتہائی محبت اور خلوص کے مراسم تھے۔

ایک مرتبہ امام ابو حفص کبیرؒ نے خواب دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں آپ نے قمیص پہن رکھی ہے اور آپ کے پہلو میں ایک عورت کھڑی رو رہی ہے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: رومت، ہاں جب مر جاؤں گا تو پھر رو لینا" امام ابو حفصؒ فرماتے ہیں اس خواب کی کسی نے کوئی تعبیر نہیں بتلائی، میں نے اس کا تذکرہ امام بخاریؒ کے والد اسماعیلؒ سے کیا تو آپ نے فرمایا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت آپ کی وفات کے بعد باقی ہے۔[2]

امام بخاریؒ کے والد اسماعیلؒ کا جب انتقال ہوا تو امام ابو حفصؒ اُن کے پاس ہی موجود تھے وفات کے وقت امام اسماعیلؒ نے اُن سے کہا تھا

"لا اعلم من مالي درهماً من حرام ولا درهماً من شبهة"[3]	میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام یا شبہ کا نہیں پاتا۔

امام ابو حفصؒ کہتے ہیں کہ اسماعیلؒ کی یہ بات سن کر مجھے اپنی حیثیت بہت ہی کم

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۳۹۲ ۔ [2] سیر اعلام النبلاء، ج ۱۰ صفحہ ۱۵۷۔ [3] ھدی الساری صفحہ ۴۷۹۔

محسوس ہونے لگی۔[1]

یاد رہے کہ حضرت حماد بن زیدؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے ہیں اور امام ابو حفص کبیرؒ حضرت امام محمدؒ کے اَجِلّہ اصحاب میں سے ہیں۔

پیدائش اور ابتدائی حالات:

حضرت امام بخاریؒ ۱۳ شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں نو آزاد ریاست ازبکستان کے تاریخی شہر بخاری میں پیدا ہوئے[2]، امام بخاریؒ کے والد ماجد اسماعیلؒ کا چونکہ امام صاحبؒ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اس لئے آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے آغوشِ شفقت میں نشو و نما پائی۔

امام بخاریؒ کی بچپن میں نظر چلی گئی تھی اور آپ نابینا ہو گئے تھے آپ کی والدہ کو اس سے بہت ہی صدمہ ہوا، اللہ کے حضور میں رو رو کر دعا کرتی تھیں کہ الٰہی میرے بچے کی نظر لوٹا دے، ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام فرما رہے ہیں: اے خاتون "قَدْ رَدَّ اللّٰہُ عَلٰی ابْنِکِ بَصَرَہٗ بِکَثْرَۃِ دُعَائِکِ" اللہ نے تیری کثیر دعاؤں کی بدولت تیرے بچے کی نگاہ لوٹا دی ہے، آپ جب سو کر اٹھیں تو دیکھا کہ واقعی اُن کی نظر لوٹ آئی ہے۔[3]

تحصیل علم:

امام بخاریؒ کی تحصیل علم کا زمانہ بچپن ہی سے شروع ہوتا ہے، ابتدائی تعلیم میں حدیث کے ساتھ ساتھ علم فقہ کی طرف توجہ کی اور امام وکیعؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جیسے اساتذہ فن کی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور ان کی کتابوں کو ازبر کر لیا، اپنے وطن مالوف ہی میں امام ابو حفص کبیرؒ سے "جامع سفیان" کا سماع کیا، چنانچہ خطیب بغدادی بہ سند نقل کرتے ہیں۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۴۷۔ [2] ھدی الساری ص ۴۷۷۔ [3] ھدی الساری صفحہ ۴۷۸ [4] سیر اعلام النبلاء ج صفحہ ۳۹۳

"اخبرنی ابو الولید قال انبأ نا محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان الحافظ قال انبأ نا ابو عمرو احمد بن محمد بن عمر المقرئی وابو نصر احمد بن ابی حامد الباھلی قالا: سمعنا ابا سعید بکر بن منیر یقول سمعت محمد بن اسماعیل بن ابرھیم بن المغیرۃ الجعفی یقول: کنتُ عند ابی حفص احمد بن حفص اسمع کتاب الجامع جامع سفیان فی کتاب والدی فمرّ ابو حفص علیٰ حرفٍ ولم یکن عندی ماذکر، فراجعتہٗ فقال الثانیۃ کذالك، فراجعتہ الثانیۃ فقال کذالك، فراجعتہ الثالثۃ فسکت سویعۃً ثم قال مَنْ ھذا؟ قالوا ھذا ابن اسماعیل بن ابراھیم بن بردزبہ فقال ابو حفص: ھو کما قال واحفظوا فان ھذا یوماً یصیر رجلاً"[۱]

محمد بن اسماعیل بن ابرھیم بن مغیرہ جعفی (امام بخاریؒ) نے بیان کیا کہ میں ابو حفص (کبیر) احمد بن حفص کے پاس جامع سفیان کا سماع اپنے والد کی کتاب میں کر رہا تھا کہ وہ ایک حرف سے گذرے جو میرے یہاں نہ تھا میں نے اُن سے مراجعت کی انھوں نے دوبارہ وہی بتلایا میں نے دوبارہ مراجعت کی پھر اُنہوں نے وہی بتلایا آخر میں نے تیسری دفعہ مراجعت کی تو ذرا چپ رہے اور دریافت کرنے لگے کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اسماعیل بن ابراھیم بن بردزبہ کا لڑکا ہے، فرمانے لگے اس نے صحیح بتایا، یاد رکھو یہ لڑکا ایک دن مردِ میدان بنے گا ....

امام بخاریؒ بچپن میں اکثر امام ابو حفص کبیرؒ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے، ایک دفعہ امام ابو حفصؒ نے فرمایا: "ھذا شاب کیس ارجوان یکون لہٗ صیت و ذکر"[۲] یہ جوان نہایت ہی عقل مند ہے مجھے اُمید ہے کہ آگے چل کر اس کی بڑی شہرت

[۱] تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۱۱ [۲] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۳۲۵

اور چرچا ہوگا، قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید کے مصداق امام بخاریؒ کی ویسی ہی شہرت ہوئی جیسے کہ اُن کے استاذ امام ابوحفصؒ نے پیش گوئی فرمائی تھی، امام ابوحفص کبیرؒ کو چونکہ امام بخاریؒ کے والد سے گہرا تعلق تھا اس بناء پر آپ کو امام بخاریؒ سے بھی فطری طور پر تعلق رہا۔

ایک مرتبہ امام ابوحفص کبیرؒ نے امام بخاریؒ کو اس قدر مال تجارت بھیجا جس کو بعض تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع سے اُن سے خریدا اور بعض تاجر اس سے بھی دوگنے نفع پر وہ مال لینے کو تیار تھے لیکن امام بخاریؒ نے اپنے ارادہ کو بدلنا پسند نہیں فرمایا۔[1]

علامہ مِزّیؒ نے امام ابوحفصؒ کو امام بخاریؒ کے مشائخ میں شمار کیا ہے۔[2]

اسی عرصہ میں امام بخاریؒ نے اُن تمام شیوخِ بخارٰی سے احادیث کا ذخیرہ جمع کرلیا جو اس وقت ممتاز محدث شمار کئے جاتے تھے اور جن کی درسگاہیں طالبین حدیث کیلئے مرکز تھیں، ان شیوخ میں محمد بن سَلَام بِیْکَنْدِی (م ۲۲۵ھ) عبداللہ بن محمد مسندی (م ۲۲۹ھ) اور ھارون بن اشعث کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

امام بخاریؒ نوعمری ہی میں علم حدیث میں اس مرتبہ ومقام پر فائز ہوگئے تھے کہ بڑے بڑے اساتذہ آپ سے مرعوب ہوجاتے تھے، اور آپ کے شریک درس ہونے سے سنبھل جاتے تھے کہ کہیں کوئی لغزش نہ ہوجائے، علامہ بیکندیؒ نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ ''محمد بن اسماعیل کے آجانے سے مجھ پر عالمِ تحیر طاری ہوجاتا ہے اور میں اُن کی وجہ سے احادیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں''[3]

ایک مرتبہ سلیم بن مجاہد، محمد بن سلام بیکندیؒ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے اُن سے فرمایا: اگر تم ذرا دیر پہلے آجاتے تو ایسا لڑکا دیکھتے جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں، سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ مجھے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور میں اس لڑکے کی تلاش میں نکلا ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: تم کو ستر ہزار احادیث کے یاد ہونے کا دعویٰ ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: بے شک مجھے اس قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد ہیں صرف احادیث ہی پر کیا منحصر

---

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۷۹۔ [2] تہذیب الکمال ج ۲۴ صفحہ ۴۴۳۔ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۱۷۔

ہے سلسلہ سند میں تم جس کے متعلق بھی پوچھو گے اُن میں سے اکثر کی جائے سکونت اور تاریخ وفات کا بھی پتہ دے سکتا ہوں اور اپنے روایت کردہ اقوالِ صحابہ وتابعین کے بارے میں یہ بھی بتلا سکتا ہوں کہ وہ کن کن آیات واحادیث سے ماخوذ ہیں۔[1]

ایک مرتبہ آپ کے استاذ محمد بن سلام بیکندیؒ نے آپ سے فرمایا: تم میری تصنیف کو ایک مرتبہ اپنے مطالعہ سے نکالدو اور اس میں جہاں غلطی ہو اس کی اصلاح کردو، کسی نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ امام العصر ہو کر بھی اُس سے اپنی اصلاح کے لئے کہہ رہے ہیں، امام بیکندیؒ نے کہا کہ: اس کا کوئی ثانی ومقابل نہیں ہے۔[2]

بخارٰی میں محدث داخلیؒ کا حلقہ درس بھی قائم تھا، امام بخاریؒ آپ کے حلقہ درس میں بھی جایا کرتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ استاذ محترم نے سند بیان کرتے ہوئے سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم فرمایا، آپ نے عرض کیا کہ سند اس طرح نہیں ہے کیونکہ ابو الزبیر نے ابراھیم سے روایت نہیں کی، محدث داخلیؒ نے امام بخاریؒ کو طفلِ ناآموز سمجھ کر ڈانٹ دیا لیکن آپ نے ادب سے عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس اصل ہو تو مراجعت فرمالیں، محدث داخلیؒ اُٹھے اور اپنی جگہ جا کر کتاب نکالی، امام بخاریؒ کی بات درست تھی واپس آئے اور فرمایا: لڑکے اصل سند کس طرح ہے؟ امام بخاریؒ نے کہا الزبیر وھو ابن عدی عن ابراھیم استاذ نے امام بخاریؒ سے قلم لے کر اپنی کتاب کو درست کیا اور فرمایا: تم نے سچ کہا، کسی نے امام بخاریؒ سے پوچھا کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ فرمایا گیارہ سال۔[3]

سماعِ حدیث کے لئے سفر:

مشائخ بخارٰی سے تقریباً چھ سال استفادہ کر لینے کے بعد ۲۱۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر پندرہ سولہ سال کے قریب تھی آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی احمد کے ہمراہ مکہ مکرمہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۰۷۔ [2] تہذیب الکمال ج ۲۴ صفحہ ۴۵۹۔ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۳۹۳۔

تشریف لے گئے، حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، والدہ اور بھائی واپس بخاری آگئے اور امام بخاریؒ وہیں حصولِ علم میں مشغول ہوگئے مکہ مکرمہ میں دو سال قیام فرمایا اور یہاں کے مشہور محدثین مثلاً ابو عبد الرحمٰن المقریؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) حسان بن حسان بصریؒ، ابو الولید احمد بن اَزْرَقیؒ اور امام حُمیدیؒ سے استفادہ کیا، مکہ مکرمہ کے ارباب علم سے تحصیلِ کمال کے بعد ۲۱۲ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے یہاں آپ نے عبد العزیز بن عبد اللہ اُویسیؒ، ایوب بن سلیمان بن بلالؒ، اسماعیل بن ابی اویسؒ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین سے استفادہ کیا۔[1]

حرمین شریفین کے علاوہ طلبِ حدیث کے سلسلہ میں آپ شام، ایران، عراق مصر، جزیرہ وغیرہ ممالکِ اسلامیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے محدثین سے احادیث مبارکہ حاصل کیں خود آپ کا اپنا بیان ہے۔

"دخلت الی الشام و مصر و الجزیرۃ مرتین والی البصرۃ اربع مرات واقمت بالحجاز ستۃ اعوام ولا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین"[2]

میں شام، مصر اور جزیرہ دو مرتبہ گیا، بصرہ چار مرتبہ گیا، حجاز مقدس میں چھ سال مقیم رہا اور کوفہ و بغداد میں محدثین کے ساتھ مجھے کتنی مرتبہ جانا پڑا یہ تو میں شمار بھی نہیں کرسکتا۔......

......

بصرہ:

میں آپ نے امام ابو عاصم النبیلؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) محمد بن عبد اللہ انصاریؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) عبد الرحمٰن بن حماد الشُّعَیثیؒ محمد بن عرعرہؒ، حجاج بن منہالؒ، بدل بن مُحَبَّرؒ، عبد اللہ بن رجاءؒ، صفوان بن عیسیٰؒ، حرمی بن عمارہؒ، عفان بن مسلمؒ، سلیمان بن حربؒ، ابو الولید الطیالسیؒ (تلمیذ قاضی ابو یوسفؒ) محمد بن سنانؒ وغیرہ محدثین سے احادیث حاصل کیں۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ صفحہ ۳۹۵ ۔ [2] ھدی الساری صفحہ ۴۷۸

کوفہ:

میں عبید اللہ بن موسیٰؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) ابو نُعیم فضل بن دُکینؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) خالد بن مَخلَدؒ، طلقؒ بن غنّامؒ، خالد بن یزید المقریؒ، احمد بن یعقوبؒ، اسماعیل بن ابانؒ، حسن بن ربیعؒ، سعید بن حفصؒ، عمر بن حفصؒ، عروہؒ، قبیصہ بن عقبہؒ، ابو غسانؒ وغیرہ محدثین سے احادیث حاصل کیں۔

بغداد:

میں آپ نے امام احمد بن حنبلؒ (تلمیذ قاضی ابو یوسفؒ) محمد بن سابقؒ محمد بن عیسیٰ بن طباعؒ، سریج بن نعمانؒ وغیرہ محدثین سے استفادہ کیا۔[1] امام ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے مجموعی طور پر ایک ہزار اسی مشائخ سے حدیث کا سماع کیا۔[2]

یاد رہے کہ سماع حدیث اور طلب علم کے اِن سفروں میں امام ابو حفص کبیرؒ حنفی کے صاحبزادہ امام ابو حفص صغیرؒ حنفی (م: ۲۶۴) امام بخاریؒ کے رفیقِ درس اور ہم سفر رہے چنانچہ امام ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں

"ورَافَقَ البخاریَ فی الطلب مدۃً"[3] امام ابو حفص صغیرؒ طلبِ علم میں ایک مدت تک امام بخاریؒ کے رفیقِ سفر رہے۔

تنبیہ:

قارئین محترم حضرت امام بخاریؒ کے ابتدائی حالات، طلبِ علم اور سماع حدیث کیلئے سفر سے دو باتیں کھل کر ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اول:

یہ کہ احناف کے حضرت امام بخاریؒ سے نہایت بہتر تعلقات تھے، چنانچہ امام ابو حفص کبیرؒ کی امام بخاریؒ کے والد اسماعیلؒ سے اخیر وقت تک دوستی رہی، امام بخاریؒ، امام ابو حفص کبیرؒ کے حلقہء درس میں شریک ہوتے رہے آپ سے "جامع سفیان" کا سماع کیا

---

[1] دیکھیے سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۹۴ و تہذیب الاسماء للامام النووی ج ۱ ص ۶۷۔ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۹۵۔

[3] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۱۸

امام ابو حفص کبیر" کی آپ پر بھر پور توجہ رہی آپ نے امام بخاریؒ کی شہرت کی پیش گوئی فرمائی جس کا ظہور دنیا نے دیکھا، آپ امام بخاریؒ کی مالی معاونت فرماتے رہے، آپ کے صاجزادہ امام ابو حفص صغیر" جن کے بارے میں امام ذھبیؒ رقمطراز ہیں

"کان ثقة اماما ورعا زاهدا ربانیا صاحب سنة و اتباع "[1] آپ ثقہ تھے، امام تھے، نہایت پرہیز گار تھے، زاہد تھے، عالم ربانی تھے اور انتہائی متبع سنت تھے۔

یہ حضرت امام بخاریؒ کے مدتِ مدید تک طلبِ علم میں رفیق سفر رہے، حضرت امام ابو حفص کبیرؒ (م: ۲۱۷ھ) اور حضرت امام ابو حفص صغیرؒ (م: ۲۶۴) دونوں کبار احناف میں سے تھے، بخاری میں احناف کی ریاستِ علمی آپ حضرات پر ختم تھی۔

حضرت امام بخاریؒ نے تحصیلِ علم کی ابتداء میں حضرت امام وکیعؒ، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کی کتابیں ازبر کرلی تھیں اور جامع سفیانؒ کا سماع کیا تھا، یہ کتابیں فقہ حنفی پر مشتمل تھیں کیونکہ حضرت امام وکیعؒ اور حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ دونوں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور حنفی ہیں، امام سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں البتہ امام صاحبؒ کی فقہ انہوں نے علی بن مسہرؒ (م: ۱۸۹ھ) سے حاصل کی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے مختص تلامذہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں، امام سفیان ثوریؒ نے اپنی "جامع" کی تصنیف میں بھی زیادہ تر اُن ہی سے مدد لی ہے، چنانچہ یزید بن ھارونؒ (م: ۲۰۶ھ) فرماتے ہیں

"کان سفیان یاخذ الفقه عن علی بن مسهر من قول ابی حنیفة وانه استعان به وبمذاکرته علی کتابه هذا الذی سماه الجامع "[2] سفیان ثوریؒ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کو علی بن مسہرؒ سے حاصل کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انہوں نے یہ کتاب جس کا نام جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۶۱۸ ـ [2] مقدمہ کتاب التعلیم للعلامۃ مسعود بن شیبۃ صفحہ ۱۳۳

دوم: یہ کہ امام بخاریؒ حرمین شریفین کے سفر کے بعد عراق تشریف لے گئے اور وہاں بصرہ کوفہ اور بغداد وغیرہ کے محدثین سے احادیث حاصل کیں، آپ کا قول پیچھے گزر چکا ہے کہ میں بصرہ چار مرتبہ گیا اور کوفہ اور بغداد تو اتنی مرتبہ جانا ہوا کہ شمار بھی نہیں کیا جا سکتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک ملکِ عراق کی علمِ حدیث کے حوالے سے بہت اہمیت تھی اور وہ وہاں کے محدثین کو انتہائی قابلِ اعتماد سمجھتے تھے، آپ نے وہاں کے محدثین سے جن میں بہت سے امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے تلامذہ قاضی ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے شاگرد اور ٹھیٹ حنفی تھے اُن سے احادیث مبارکہ حاصل کیں اور اُن کو اس قدر اہمیت دی کہ اپنی اہم ترین کتاب بخاری شریف میں جگہ جگہ ذکر فرمایا۔

کوفہ کی علمی حیثیت:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے کہ آخر کوفہ میں کون لوگ تھے اور کوفہ کی کیا علمی حیثیت تھی کہ حضرت امام بخاریؒ کو طلب حدیث کے لئے بار بار وہاں جانا پڑا اس سلسلہ میں راقم آثم نے تاریخ کو کھنگالا تو بہت سی مفید اور اہم معلومات حاصل ہوئیں، قارئین کرام تفصیل کیساتھ ان معلومات کو ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخ میں مرقوم ہے کہ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ملک عراق فتح کیا تو فاروق اعظمؓ نے کوفہ کی تعمیر کا حکم دیا، چنانچہ ۱۷ھ میں کوفہ تعمیر کیا گیا، اس کے اطراف و جوانب میں فصحائے عرب آباد کئے گئے، اس شہر کے آباد ہونے کے بعد بڑی تعداد میں جلیل القدر صحابہء کرام یہاں تشریف لائے۔

کوفہ میں صحابہء کرام کا وُرود:

علامہ ابن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) فرماتے ہیں

''ستر بدری اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہء

کرام کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے“[۱]

حافظ ابوبشر دولابیؒ (م:۳۱۰ھ) حضرت قتادہؒ سے جن کا شمار تابعین میں ہوتا ہے بسند ناقل ہیں

”آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس افراد اور چوبیس وہ بزرگ جو غزوہ بدر میں آپ کے ہمرکاب رہے تھے کوفہ میں آکر فروکش ہوئے“[۲]

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلیؒ (م:۲۶۱ھ) فرماتے ہیں

”کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام آکر اترے“[۳]

طبقات ابن سعد میں علامہ ابن سعدؒ نے بحوالہ نافع بن جبیر بن مطعم حضرت عمرؓ کا کوفہ کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے

”بالكوفة وجوه الناس“[۴]

کوفہ میں بڑے بڑے لوگ ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہاں جس وجاہت کا تذکرہ فرما رہے ہیں وہ دینی اور علمی وجاہت ہی ہو سکتی ہے، اس کی تائید خود حضرت عمرؓ کے اس خط سے ہوتی ہے جو آپ نے کوفہ والوں کے نام لکھا ہے، یہ خط علامہ ذھبیؒ نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں بایں الفاظ نقل کیا ہے

حضرت عمرؓ کا خط اہل کوفہ کے نام:

”انی قد بعثت الیکم عمار بن یاسرؓ امیرًا و عبد اللہ بن مسعود معلمًا و وزیرًا و هما من النجباء من اصحاب محمد ﷺ من اهل

میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسرؓ کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر روانہ کیا ہے یہ دونوں حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۹ ۔ ۲ کتاب الکنیٰ والاسماء ج ۱ صفحہ ۱۷۴ ۔ ۳ فتح القدیر للامام ابن الہمام ج ۱ صفحہ ۹۱ ۔ ۴ طبقات ابن سعد ج ۶

بدر فاقتدو ابہما واسمعوا وقد آثرتکم بعبد اللہ بن مسعود علی نفسی[1]

منتخب اور برگزیدہ ہستیاں ہیں شرکائے بدر میں سے ہیں تم ان کی اقتداء کرو۔ دیکھو عبداللہ بن مسعودؓ کے معاملہ میں میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بناء کوفہ سے لے کر حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے اخیر دور تک اہل کوفہ کو قرآن پاک اور مسائلِ فقہیہ کی تعلیم دینے میں مشغول رہے، یہانتک کہ کوفہ قراء اور فقہاءِ محدثین سے بھر گیا، آپ کی اس جدو جہد اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ بقول بعض ثقہ علماء کے اِس شہر میں چار ہزار علماء پیدا ہو گئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اس کارِ خیر میں متعدد جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنھم بھی شریک رہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب کوفہ منتقل ہوئے تو اِس شہر کے فقہاء کی کثرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا "رَحِمَ اللّٰہ ابنَ اُمِّ عبدٍ قد مَلأ ھٰذہِ القریۃَ علماً" "اللہ تعالیٰ ابن مسعودؓ کا بھلا کرے اُنہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا، امام ابو بکر عتیق بن داود یمانیؒ کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کوفہ میں وُرود ہوا یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ وہاں پر لوگوں کو فقیہ بنانے میں مصروف تھے، جناب امیر (حضرت علیؓ) نے جامع مسجد کوفہ میں آکر دیکھا تو چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی تھیں طلباء کتابتِ علم میں مصروف تھے یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"لَقَدْ تَرَکَ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ ھٰؤُلَاءِ سُرُجَ الْکُوْفَۃِ"[2]

بلا شبہ ابن ام عبد یعنی ابن مسعودؓ نے ان لوگوں کو کوفہ کا چراغ بنا کر چھوڑا ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۴۔ [2] مناقب موفق ج صفحہ

امام ابوبکر جصاص رازی (م: ۳۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں

"خرج علیه من القراء اربعة آلاف رجل هم خيار التابعين و فقهاؤهم فقاتلوه مع عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث بالاهواز ثم بالبصرة ثم بدير الجماجم من ناحية الفراة بقرب الكوفة"[1]

حجاج کے خلاف چار ہزار کی تعداد میں جلیل القدر فقہاء قراء تابعین نے خروج کیا اور عبد الرحمٰن بن اشعث کے ساتھ ملکر اہواز بصرہ اور دیر جماجم میں جو کہ فرات کے کنارہ اور کوفہ کے قریب کے شہر ہیں اُن میں حجاج سے لڑائی کی۔

ابو محمد رامہرمزیؒ (م: ۳۶۰ھ) اپنی سند کیساتھ امام انس ابن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

"اتيت الكوفة فرأيت فيها اربعة آلاف يطلبون الحديث و اربعمائة قد فقهوا"[2]

میں کوفہ آیا تو میں نے وہاں چار ہزار طلبہء حدیث اور چار سو فقہاء کو دیکھا۔

طبقات ابن سعد کی پوری ایک جلد[3] میں کوفہ کے علماء کا تذکرہ ہے ان میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے علماء کا ایک طویل تذکرہ ہے ہم نے سرسری طور پر طبقات میں کوفہ کے علماء کا شمار کیا تو ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب نکلی جبکہ اسی کتاب میں دوسرے شہروں کے علماء کا شمار اس کے عُشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔

مشہور محدث امام حاکم (م: ۴۰۵ھ) نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں اسلامی شہروں کے نامور محدثین کا تذکرہ کیا ہے مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ تمام شہروں میں یہ شرف صرف کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے ائمہء حدیث کا تذکرہ کتاب کے پورے ساڑھے تین صفحات پر پھیلا ہوا ہے جبکہ دوسرے شہروں میں سے کسی بھی شہر کے محدثین کا تذکرہ اسی کتاب میں ایک صفحہ سے زائد نہیں ہے[4]

حافظ ابو محمد رامہرمزیؒ نے اپنی کتاب میں بسند متصل امام احمد بن حنبلؒ اور امام

---

[1] احکام القرآن ج ۳ صفحہ — [2] المحدث الفاصل صفحہ ۵۶۰ — [3] طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۶ — [4] دیکھئے معرفت علوم الحدیث صفحہ ۲۴۳

بخاریؒ کے استاذ امام عفان بن مسلمؒ (م: ۲۲۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ

"آپ نے کچھ لوگوں کو کہتے سنا کہ ہم نے فلاں کی کتابیں نقل کر لی ہیں اور ہم نے فلاں کی کتابیں نقل کر لی ہیں اس پر آپ نے فرمایا: ہمارے خیال میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے ہمارا دستور تو یہ تھا کہ ہم جب ایک استاذ کے پاس جاتے تو اُس سے وہ روایتیں سنتے جو کسی اور سے نہ سنی ہوتیں اور دوسرے کے پاس جاتے تو اس سے وہ سنتے جو پہلے سے نہ سنی ہوتیں، چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو ہم نے وہاں چار ماہ قیام کیا، اگر ہم چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں، ہم کسی سے بھی املاء کے بغیر راضی نہیں ہوئے سوائے شریکؒ کے کہ انہوں نے ہم سے انکار کر دیا، اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے" [1]

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (م: ۷۷۱ھ) نے "طبقات الشافعیہ" میں امام ابو داؤدؒ کے صاحبزادہ حافظ ابو بکر عبداللہ بن ابی داودؒ (م: ۳۱۶ھ) کی زبانی یہ بیان لکھا ہے کہ

"میں جب کوفہ آیا تو میرے پاس فقط ایک درہم تھا میں نے اُس ایک درہم سے تیس مُدّ باقلّا خرید لیا، روزانہ ایک مُدّ باقلا کھاتا اور (ابو سعید) الاشج [2] سے ایک ہزار حدیثیں لکھتا، اس طرح ایک ماہ میں میں نے تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل ہیں" [3]

غور فرمایئے اِس شہر میں حدیث کی بہتات کا یہ حال تھا کہ عفان بن مسلمؒ جیسے امام حدیث صرف چار ماہ میں پچاس ہزار حدیثیں لکھ لیتے ہیں اور ابو بکر بن ابی داوُدؒ صرف ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں جمع کر لیتے ہیں۔

---

[1] المحدث الفاصل صفحہ ۵۵۹۔ [2] آپ تمام ارباب صحاح ستہ کے استاذ ہیں۔ [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۳ صفحہ ۳۰۸

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے جب ان کے صاحبزادے عبداللہؒ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہئے آیا ایک ہی استاذ کی خدمت میں رہ کر اُسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا اُن مقامات کا رُخ کرے جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے استفادہ کرے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اسے سفر کرنا چاہئے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہئیں ،اُن علماء میں سب سے پہلے امام احمدؒ نے کوفیین ہی کا ذکر کیا، چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں

"یرحل و یکتب من الکوفیین و البصریین و اھل المدینة و مکة"[1]

وہ سفر کرے اور کوفیوں ،بصریوں ،مدینہ اور مکہ والوں سے احادیث لکھے

علامہ ابن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالجبار بن عباسؒ نے اپنے والد عباس سے نقل کیا کہ اُنہوں نے فرمایا:

"جالستُ عطاءً فجعلتُ اسأله فقال لی ممن انتَ ؟فقلت من اھل الکوفة فقال عطاء: مایأتینا العلم الا من عندکم"[2]

میں (امام حرم محدثِ مکہ مکرمہ) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دریافت کرنے لگا تو آپ نے مجھ سے پوچھا: تم کن لوگوں میں سے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کوفہ والوں میں سے اِس پر آپ نے فرمایا: (تعجب ہے تم مسائل مجھ سے دریافت کرتے ہو حالانکہ) ہمارے پاس (مکہ میں) علم تم لوگوں ہی کے پاس سے (یعنی کوفہ سے) آتا ہے

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ جلیل القدر تابعی ،امام حرم اور محدث مکہ مکرمہ ہونے کے ساتھ فقیہ اور مجتہد بھی ہیں اور بڑے بڑے اساطین علم وفضل کے شیخ بھی ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ "ہمارے پاس علم تو کوفہ والوں کے پاس ہی سے آتا ہے" یہ اُس زمانہ میں کوفہ کی علمی

[1] تدریب الراوی ج ۲ صفحہ ۸۵ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۱۔

برتری کی بڑی بیّن اور وزنی دلیل ہے۔

"تذکرۃ الحفاظ" میں محدثین کوفہ کا ذکر:

علماء محدثین نے حفاظِ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنے وقت میں حفاظِ حدیث تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب "تذکرۃ الحفاظ" ہے یہ حافظ شمس الدین ذھبیؒ (م:۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے، موصوف نے اِس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں لکھا جس کا شمار حفاظِ حدیث میں نہ ہوتا ہو، چنانچہ آپ علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں

"ابن تیمیہ علم کا خزانہ ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے اس لئے میں نے ان کا تذکرہ نہیں کیا"۔[1]

اور خارجہ بن زیدؒ اگر چہ فقہاء سبعہ میں سے ہیں مگر اُن کے بارے میں صاف تصریح کر دی کہ

"چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لئے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا"۔[2]

ایسے ہی اس کتاب میں اُن لوگوں کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے جو حافظ حدیث تو ہیں مگر محدثین کے یہاں پایہء اعتبار سے ساقط ہیں، چنانچہ امام ذھبیؒ نے واقدی اور ھشام کلبی کو اسی لئے حفاظِ حدیث میں شمار نہیں کیا۔

اِس کتاب میں صرف ۲۵۶ھ تک (جو کہ حضرت امام بخاریؒ کا سال وفات ہے) کے اُن محدثین کا تذکرہ پڑھ لیجئے جن کو امام ذہبیؒ نے کوفی کہا ہے ہم یہاں صرف اُن محدثین کا ذکر کریں گے جن کے لئے امام ذہبیؒ نے کتاب میں مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

۱۔ علقمہ بن قیس الامام ۶۲ھ، ۲۔ مسروق الہمدانی ۶۳ھ، ۳۔ الاسود بن یزید النخعی ۷۵ھ ۴۔ عبیدۃ بن عمرو السلمانی ۷۲ھ، ۵۔ سوید بن غَفَلَہ الکوفی ۸۱ھ، ۶۔ زر بن حُبَیش ابو مریم الاسدی ۸۲ھ، ۷۔ ربیع بن خثیم ابو یزید الثوری ۶۳ھ،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۱۴۹۶ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۹۱

۸۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۸۳ھ، ۹۔ابو عبدالرحمٰن السلمی ۷۳ھ، ۱۰۔ابوامیہ شریح بن الحارث ۷۸ھ، ۱۱۔ابو مقدام شریح المذحجی ۷۸ھ، ۱۲۔ابووائل شقیق بن سلمہ ۸۲ھ، ۱۳۔قیس بن ابی حازم ۹۷ھ، ۱۴۔عمرو بن میمون ابوعبداللہ ۷۵ھ، ۱۵۔زید بن وہب ابوسلیمان ۸۴ھ، ۱۶۔معرور بن سوید ابوامیہ الاسدی ۱۲۰ھ، ۱۷۔ابوعمر وسعد بن ایاس الشیبانی ۹۸ھ، ۱۸۔ربعی بن حراش ۱۰۱ھ، ۱۹۔ابراھیم بن یزید التیمی ۹۲ھ ۲۰۔ابراھیم بن یزید ابوعمران النخعی ۹۵ھ، ۲۱۔سعید بن جبیر ۹۵ھ، ۲۲۔عامر بن شراحیل الہمدانی ۱۰۴ھ، ۲۳۔عمرو بن عبداللہ ابواسحاق ۱۲۷ھ، ۲۴۔حبیب بن ابی ثابت ۱۱۹ھ، ۲۵۔الحکم بن عتیبہ ابوعمرو الکندی ۱۱۵ھ، ۲۶۔عمرو بن مرہ ابوعبداللہ ۱۱۶ھ، ۲۷۔القاسم بن مخیمرہ ابوعروہ ۱۱۱ھ، ۲۸۔عبدالملک بن عمیر ۱۳۶ھ، ۲۹۔منصور بن المعتمر ۱۳۲ھ، ۳۰۔مغیرہ بن مقسم ۱۲۶ھ، ۳۱۔حصین بن عبدالرحمٰن ۱۲۶ھ، ۳۲۔سلیمان بن فیروز ۱۳۸ھ، ۳۳۔اسمٰعیل بن ابی خالد ۱۴۵ھ، ۳۴۔سلیمان بن مہران الاعمش ۱۴۸ھ، ۳۵۔عبدالملک بن سلیمان ۱۴۵ھ، ۳۶۔نعمان بن ثابت ۱۵۰ھ، ۳۷۔محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۱۴۸ھ، ۳۸۔حجاج بن ارطاۃ ۱۴۹ھ، ۳۹۔مسعر بن کدام الہمدانی ۱۵۷ھ، ۴۰۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی ۱۶۰ھ، ۴۱۔سفیان بن سعید الثوری ۱۶۱ھ، ۴۲۔اسرائیل بن یونس السبیعی ۱۶۲ھ، ۴۳۔زائدہ بن قدامہ ۱۶۱ھ، ۴۴۔الحسن بن صالح ۱۶۷ھ، ۴۵۔شیبان بن عبدالرحمٰن ۱۶۴ھ، ۴۶۔قیس بن الربیع ابومحمد ۱۶۷ھ، ۴۷۔ورقاء بن عمرو ۱۶۰ھ، ۴۸۔شریک بن عبداللہ القاضی ۱۷۷ھ، ۴۹۔زہیر بن معاویہ ابوخثیمہ ۱۷۳ھ، ۵۰۔القاسم بن معن ۱۷۵ھ، ۵۱۔ابوالاحوص سلام بن سلیم ۱۹۷ھ، ۵۲۔بشر بن القاسم ۱۷۸ھ ۵۳۔سفیان بن عیینہ ابومحمد ۱۹۸ھ، ۵۴۔ابوبکر بن عیاش ۱۹۳ھ، ۵۵۔یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ۱۸۲ھ، ۵۶۔عبدالسلام بن حرب ۱۸۷ھ، ۵۷۔جریر بن عبدالحمید ۱۸۸ھ، ۵۸۔سلیمان بن حبان الاحمر ابو خالد ۱۹۸ھ، ۵۹۔ابراھیم بن محمد الفزاری ۱۸۵ھ، ۶۰۔عیسیٰ بن یونس السبیعی ۱۸۷ھ، ۶۱۔عبداللہ بن ادریس ۱۹۲ھ، ۶۲۔یحییٰ بن یمان ابوزکریا ۱۸۹ھ، ۶۳۔حمید بن

عبدالرحمٰن ابوعوف ۱۹۰ھ، ۶۴۔ علی بن مسہر ابوالحسن ۱۸۶ھ، ۶۵۔ عبدالرحیم بن سلیمان ۱۸۷ھ، ۶۶۔ یعقوب بن ابراہیم الانصاری ۲۰۸ھ، ۶۷۔ ابو معاویہ محمد بن حازم ۱۹۵ھ، ۶۸۔ مروان بن معاویہ ۱۹۳ھ، ۶۹۔ حفص بن غیاث النخعی ۱۹۴ھ، ۷۰۔ وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ، ۷۱۔ عبیدہ بن حمید ۱۹۰ھ، ۷۲۔ عبید اللہ الاشجعی ۱۸۲ھ، ۷۳۔ عبدۃ بن سلیمان ۱۸۸ھ، ۷۴۔ عبدالرحمٰن بن محمد ۱۹۵ھ، ۷۵۔ محمد بن فضیل ۱۹۵ھ، ۷۶۔ حماد بن اسامہ ۲۰۳ھ، ۷۷۔ محمد بن بشر ۲۰۳ھ، ۷۸۔ یحییٰ بن سعید القرشی ۱۹۴ھ، ۷۹۔ یونس بن بکیر ۱۹۹ھ، ۸۰۔ عبد اللہ بن نمیر ۱۹۹ھ، ۸۱۔ شجاع بن الولید ابو بدر ۲۰۴ھ، ۸۲۔ محمد بن عبید الایادی ۲۰۴ھ، ۸۳۔ عبد اللہ بن داؤد الخریبی ۲۱۳ھ، ۸۴۔ حسین بن علی ابو علی ۲۰۳ھ، ۸۵۔ زید بن الحباب ۲۰۳ھ، ۸۶۔ عبیداللہ بن موسیٰ ۲۱۳ھ، ۸۷۔ اسحاق بن سلیمان ۲۰۰ھ، ۸۸۔ محمد بن عبداللہ ۲۰۳ھ، ۸۹۔ یحییٰ بن آدم ۲۰۳ھ، ۹۰۔ داؤد بن یحییٰ ۲۰۳ھ، ۹۱۔ عبداللہ بن یزید ۲۱۳ھ، ۹۲۔ ابونعیم الفضل بن دُکین ۲۱۹ھ، ۹۳۔ قبیصہ بن عقبہ ابو عامر ۲۱۵ھ، ۹۴۔ موسیٰ بن داؤد ۲۱۷ھ، ۹۵۔ خلف بن تمیم ۲۰۶ھ، ۹۶۔ یحییٰ بن ابی بکیر ۲۰۸ھ، ۹۷۔ عبید اللہ ۲۰۳ھ، ۹۸۔ زکریا بن عدی ۲۱۲ھ، ۹۹۔ احمد بن عبد اللہ بن یونس ۲۲۷ھ، ۱۰۰۔ مالک بن اسمٰعیل ۲۱۷ھ، ۱۰۱۔ خالد بن مخلد ۲۱۳ھ، ۱۰۲۔ یحییٰ بن عبدالحمید ۲۳۵ھ، ۱۰۳۔ عبداللہ بن محمد ابوبکر ۲۳۴ھ، ۱۰۴۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر ۲۳۴ھ، ۱۰۵۔ عثمان بن ابی شیبہ ۲۳۹ھ، ۱۰۶۔ علی بن محمد بن اسحاق ۲۳۳ھ، ۱۰۷۔ احمد بن حمید ابوالحسن ۲۲۰ھ، ۱۰۸۔ الحسن بن الربیع ۲۲۱ھ، ۱۰۹۔ محمد بن العلاء ۲۴۸ھ، ۱۱۰۔ ھناد بن السری ۲۴۳ھ۔

قارئین محترم مندرجہ بالا تفصیل سے آپ نے معلوم کرلیا ہوگا کہ کوفہ کی علمی حیثیت کیا تھی، وہاں کیسی کیسی قد آور شخصیات کا قیام تھا اور اُن کا علمِ حدیث سے اشتغال کس درجہ کا تھا، یہی وہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے امام بخاریؒ کو لاتعداد مرتبہ کوفہ کا سفر کرنا پڑا اور آپ نے وہاں کے محدثین سے بھرپور استفادہ کیا۔

بخاری شریف میں کوفی رُوات

ہم نے بخاری شریف کے رُواۃ کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بخاری شریف کے راویوں میں سب سے زیادہ تعداد جس شہر کے راویوں کی ہے وہ کوفہ ہی ہے، راقم الحروف نے کوفہ کے راویوں کو شمار کرنا شروع کیا تو بخاری شریف میں کوفہ کے رُواۃ کی تعداد تین سو سے زائد ملی، اگر کتاب کی ضخامت کے زائد ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم اُن کے نام ہدیہء ناظرین کرتے؛ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بخاری شریف میں جس قدر صحابہء کرام سے روایات منقول ہو کر آئی ہیں اُن صحابہ میں سے صرف وہ صحابہ جو خاص کوفہ میں آکر جاگزیں ہو گئے تھے اُن کے نام درج کر دیئے جائیں، یاد رہے کہ علامہ ابن حجرؒ نے بترتیب حروف تہجی اُن تمام صحابہء کرام کے نام "ھدی الساری مقدمہ فتح الباری" میں درج کر دیئے ہیں جن سے بخاری شریف میں روایات لی گئی ہیں [1]

۱۔ حضرت اشعث بن قیس الکندیؓ ۔۲۔ حضرت عدی بن حاتمؓ ۔۳۔ حضرت اُھبان بن اوس الاسلمیؓ ،۴۔ حضرت عقبہ بن عمروؓ، ۵۔ حضرت بریدہ بن الحصیبؓ، ۶۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ، ۷۔ حضرت جابر بن سمرہؓ، ۸۔ حضرت عمران بن الحصینؓ، ۹۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ، ۱۰۔ حضرت عمرو بن حریثؓ، ۱۱۔ حضرت جندب بن عبداللہؓ، ۱۲۔ حضرت مرداس بن مالکؓ، ۱۳۔ حضرت حارثہ بن وہبؓ، ۱۴۔ حضرت مسیب بن حزنؓ، ۱۵۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، ۱۶۔ حضرت معن بن یزیدؓ، ۱۷۔ حضرت خباب بن الارتؓ، ۱۸۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، ۱۹۔ حضرت زید بن ارقمؓ، ۲۰۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ، ۲۱۔ حضرت سلیمان بن مروؓ، ۲۲۔ حضرت نعمان بن مقرنؓ، ۲۳۔ حضرت سمرہ بن جنادہؓ، ۲۴۔ حضرت نُفیع بن الحارثؓ، ۲۵۔ حضرت سُنین ابو جمیلہؓ، ۲۶۔ حضرت وہب بن عبداللہؓ، ۲۷۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ ۲۸۔ حضرت عبداللہ بن یزیدؓ، ۲۹۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰؓ۔

یہ اُن کوفی صحابہء کرام کے اسماء گرامی ہیں جن کے حوالے سے امام بخاریؒ نے

---

[1] دیکھئے ھدی الساری صفحہ ۴۷۴

بخاری شریف میں ارشاداتِ نبوت نقل کیے ہیں۔

بخاری شریف میں کوفی اسناد:

قارئین کرام! ہماری حیرت میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب ہم نے بخاری شریف کی اَسناد کا جائزہ لیا اور ہمیں یہ علم ہوا کہ بخاری شریف میں پچاسیوں سندیں ایسی ہیں جن کے کل کے کل راوی کوفی ہیں، قارئین کی ضیافتِ طبع کیلئے چند سندیں ذکر کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

① ۔ بخاری شریف ص ۶ پر یہ سند دیکھئے " حدثنا سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی القرشی قال ثنا ابي قال ثنا ابو بردة بن عبد الله بن ابي بردة عن ابي بردة عن ابي موسیٰ " اس سند میں پانچ راوی ہیں (۱) سعید بن یحییٰ (۲) یحییٰ بن سعید الاموی القرشی (۳) ابو بردة بن عبد الله (اصل نام بُرَید ہے) (۴) ابو بردة بن موسیٰ ابو اشعری (ان کا اصل نام عامر ہے) (۵) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وعنھم یہ پانچوں راوی کوفی ہیں، علامہ عینیؒ اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں " اسناده كلهم كوفيون "[۱] یعنی اس سند کے کل راوی کوفی ہیں۔

② ۔ بخاری شریف ص ۱۶ پر یہ سند ملاحظہ کیجئے حدثنا عثمان بن ابی شیبة قال حدثنا جریر عن منصور عن ابی وائل قال کان عبد اللهؓ الحدیث اس سند میں بھی پانچ راوی ہیں (۱) عثمان بن ابی شیبة (۲) جریر بن عبد الحمید (۳) منصور بن المعتمر (۴) ابو وائل شقیق بن سلمہ (۵) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وعنھم یہ پانچوں راوی کوفی ہیں، علامہ عینیؒ اس سند کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں " رواته كوفيون "[۲] یعنی اس سند کے راوی کوفی ہیں۔

③ ۔ بخاری شریف ص ۱۸ پر یہ سند دیکھئے " حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا حماد بن اسامة عن برید بن عبد الله عن ابی بردة عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ " اس سند میں بھی پانچ راوی ہیں (۱) محمد بن علاء (۲) حماد بن اُسامہ بن یزید (۳) بُرَید بن عبد اللہ (۴) قاضی کوفہ ابو بردہ عامر بن ابی موسیٰ (۵) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وعنھم یہ کل کے کل راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں " رواته كلهم كوفيون "[۳] یعنی اس سند کے کل

---

[۱] عمدة القاری ج ۱ صفحہ ۱۵۹ [۲] عمدة القاری ج ۱ صفحہ ۳۳۳ [۳] عمدة القاری ج ۱ صفحہ ۳۶۶

راوی کوفی ہیں۔

④۔ بخاری شریف ص ۱۹ پر یہ سند ملاحظہ کیجئے ''حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابو اُسامۃ عن برید عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ قال: الحدیث اس سند میں بعینہ وہی پانچ راوی ہیں جو اوپر کی سند میں ذکر ہوئے اس سند کے بارے میں علامہ عینی رقمطراز ہیں ''کلھم کوفیون''[1] یہ سب راوی کوفی ہیں۔

⑤۔ بخاری شریف ص ۲۳ پر یہ سند دیکھئے ''حدثنا عثمان قال ثنا جریر عن منصور عن ابی وائل عن ابی موسیٰ قال: اس سند میں بھی پانچ راوی ہیں (۱) عثمان بن ابی شیبہ (۲) جریر بن عبدالحمید (۳) منصور بن المعتمر (۴) ابو وائل شقیق بن سلمہ (۵) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وعنھم یہ کل کے کل راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ''رواتہ کلھم کوفیون''[2] اس سند کے کل راوی کوفی ہیں۔

⑥۔ بخاری شریف ص ۲۷ پر یہ سند ملاحظہ فرمایئے ''حدثنا ابونعیم قال ثنا زھیر عن ابی اسحٰق قال لیس ابوعبیدۃ ذکرہ ولکن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ انہ سمع عبداللہ یقول'' اس سند میں چھ راوی ہیں (۱) ابونُعیم فضل بن دُکین (تلمیذ امام ابوحنیفہؒ) (۲) زھیر بن معاویہ (۳) ابواسحٰق عمرو بن عبداللہ السَّبِیعی (۴) عبدالرحمٰن بن اسود (۵) اسود بن یزید (۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وعنھم یہ کل کے کل راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ''رواتہ کلھم ثقات کوفیون''[3] اس سند کے کل راوی ثقہ ہیں اور کوفی ہیں۔

⑦۔ بخاری شریف ص ۳۲ پر یہ سند دیکھئے حدثنا محمد بن العلاء قال ثنا ابواسامۃ عن برید عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث اس سند میں بعینہ وہی پانچ راوی ہیں جو سند نمبر ۴ کے تحت گزرے اس سند کے بارے میں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں ''رواتہ کلھم کوفیون''[4] اس سند کے کل راوی کوفی ہیں۔

⑧۔ بخاری شریف ص ۳۳ پر یہ سند ملاحظہ کیجئے ''حدثنا ابونُعیم قال ثنا زکریا عن عامر عن عروۃ بن المغیرۃ عن ابیہ قال الحدیث اس سند میں کل پانچ راوی ہیں (۱) ابونُعیم فضل

---

[1] عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۵۰۸۔ [2] عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۶۰۶۔ [3] عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۷۲۳۔ [4] عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۸۳۱

بن دُکَیْن (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) (۲) زکریا بن ابی زائدۃ (۳) عامر بن شراحیل الشعبی (۴) عروۃ بن مغیرہ (۵) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وعنہم یہ تمام راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ رقمطراز ہیں "رواته کلهم کوفیون"[1] اس سند کے سب راوی کوفی ہیں۔

⑨۔ بخاری شریف ص ۵۶ پر یہ سند دیکھئے "حدثنا اسحٰق بن نصر قال نا ابو اسامة عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن المغیرۃ بن شعبة قال: الحدیث اس سند میں چھ راوی ہیں (۱) اسحٰق بن ابراھیم بن نصر (۲) ابو اُسامہ حماد بن اُسامہ (۳) سلیمان بن مہران الاعمش (۴) مسلم بن صُبَیح (۵) مسروق بن الاجدع (۶) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وعنہم یہ تمام راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "رجال اسناده کلهم کوفیون"[2] اس حدیث شریف کی سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔

⑩۔ بخاری شریف ص ۵۸ پر یہ سند دیکھئے "حدثنا عثمان قال نا جریر عن منصور عن ابراھیم عن علقمة عن عبد اللہ" اس سند میں چھ راوی ہیں (۱) عثمان بن ابی شیبہ (۲) جریر بن عبد الحمید (۳) منصور بن المعتمر (۴) ابراھیم بن یزید النخعی (۵) علقمہ بن قیس النخعی (۶) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وعنہم یہ تمام کے تمام راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ اس سند کے بارے میں فرماتے ہیں "رواته کلهم کوفیون وائمة اجلاء و اسناده من اصح الاسانید"[3] اس سند کے کل راوی کوفی اور جلیل القدر ائمہ ہیں، اور یہ سند اصح الاسانید میں سے ہے۔

⑪۔ بخاری شریف ص ۹۰ پر یہ سند ملاحظہ فرمائیے "حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابو اسامة عن بُرید بن عبد اللہ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ" اس سند میں بعینہٖ وہی پانچ راوی ہیں جو سند نمبر ۷ اور سند نمبر ۴ کے تحت گزرے۔

⑫۔ بخاری شریف ص ۹۱ پر یہ سند دیکھئے "حدثنا عمر بن حفص بن غیاث قال حدثنا ابی قال ثنا الاعمش عن ابراھیم قال الاسود" اس سند میں پانچ راوی ہیں (۱) عمر بن حفص (۲) حفص بن غیاث (تلمیذ امام ابو حنیفہؒ) (۳) سلیمان بن مہران الاعمش (۴) ابراھیم

---

[1] عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۸۵۶ [2] عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۲۹۲ [3] عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۳۱۱

بن یزید النخعی (۵) اسود بن یزید النخعی رحمہم اللہ یہ سب راوی کوفی ہیں چنانچہ علامہ عینیؒ رقمطراز ہیں "رُوَاتُهٗ كوفيون"۔[1]

طوالت کے خوف سے انہی سندوں پر اکتفاء کیا جارہا ہے، ہم نے یہ سندیں بخاری شریف کے شروع سے بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کی ہیں ان سندوں میں سے ہر سند کے تمام راوی کوفی ہیں ایسی ڈھیروں سندیں بخاری شریف میں موجود ہیں حتیٰ کہ بخاری شریف کی بالکل آخری سند میں بھی آخری راوی کے علاوہ باقی تمام راوی کوفی ہیں ملاحظہ فرمایئے "حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارۃ بن القعقاع عن ابی زرعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال"[2] اس سند میں پانچ راوی ہیں (۱) احمد بن اشکاب (۲) محمد بن فضیل (۳) عمارہ بن قعقاع (۴) ابوزرعۃ (۵) ابوھریرہ رضی اللہ عنہ وعنھم ان میں سے حضرت ابوھریرہؓ کے علاوہ باقی سب راوی کوفی ہیں۔

شیوخِ بخاری:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے وہ مشائخ واساتذہ جن سے آپ نے بخاری شریف میں براہ راست روایات نقل کی ہیں تقریباً تین سو دس ہیں جن میں سے پونے دوسو کے قریب عراقی راوی ہیں پھر عراقیین میں سے پینتالیس کوفی ہیں پچاسی بصری ہیں باقی دیگر شہروں کے ہیں۔

قارئین محترم! بخاری شریف کی ان اسناد اور امام بخاریؒ کے شیوخ کے تجزیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک محدثین کوفہ کی بڑی اہمیت تھی وہ انھیں انتہائی قابل اعتماد اور اُن کی اسناد کو انتہائی قابلِ استناد سمجھتے تھے اسی لئے اُنہوں نے لاتعداد مرتبہ کوفہ کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اُن کی روایات سے اپنی "الجامع الصحیح" اور دیگر کتب کو مزین کیا۔

کوفہ اور محدثین کوفہ کے بارے میں غیر مقلدین کا رویہ:

امام بخاریؒ کے اِس طرزِ عمل کے خلاف جب ہم غیر مقلدین حضرات کے انداز

[1] عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۱۲۷ [2] بخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۲۹

فکر اور طرز عمل کو دیکھتے ہیں تو انتہائی حیرت اور تعجب ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنا تعلق حضرت امام بخاریؒ سے کس بدتے پر جوڑتے ہیں، کیونکہ حضرت امام بخاریؒ کوفہ اور محدثین کوفہ کے بارے میں جو نظریہ رکھتے ہیں غیر مقلدین کا رویہ اس کے بالکل برعکس اور اُلٹ ہے، غیر مقلدین کو کوفہ اور محدثین کوفہ سے اس قدر نفرت اور بغض ہے کہ الامان والحفیظ۔ وہ کوفہ کو تمام فتنوں کی آماجگاہ سمجھتے ہیں، اِن کے خیال میں کوفہ علمِ حدیث سے بے بہرہ تھا وہاں تو بس رائے اور قیاس ہی کا چرچا تھا اگر وہاں کے محدثین کے پاس کچھ حدیثیں تھیں بھی تو وہ بے نور اور ناقابل اعتماد و استناد تھیں، اس سلسلہ میں غیر مقلدین کے چند مقتدر علماء کی تحریرات نذر قارئین کیجاتی ہیں تاکہ وہ غیر مقلدین کی تنگ نظری اور تعصب کا کچھ اندازہ لگا سکیں۔

غیر مقلدین کے ایک نامور عالم ومناظر یحییٰ گوندلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں

"کوفہ جب سے بنا ہے اُس وقت سے وہاں فتنوں نے جگہ پائی ہے بلکہ ہر فتنہ کا تعلق کوفہ یا پھر عراق سے رہا ہے، اسلام میں رائے اور قیاس کا داخل ہونا بھی ایک بہت بڑا فتنہ تھا لہذا رائے نے بھی اپنا مرکز کوفہ کو بنایا۔ قیاس کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد عراق کے ملحض علماء اس کے دلدادہ ہوئے، اُنہوں نے کثرت سے قیاس اور رائے کا استعمال کیا جسکی وجہ ان میں آثار کی کمی اور روایات کی قلت تھی پھر کچھ ماحول اور فضا کا بھی اثر تھا کہ وہ لوگ صحابہ کرام کے صاف ستھرے منہج اور راستے کو چھوڑ کر قیاس و آراء کی طرف مائل ہوئے الخ"[1]

مولانا موصوف ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں

"سنیئے کوفہ ہمیشہ سے بدعات وحوادثات کا مرکز رہا ہے، ہر اسلام شکن

---

[1] دواستان حنفیہ صفحہ ۲۱

فرقہ نے اسی سرزمین کو اپنا ماویٰ ملجا بنایا ہے اسلام میں کوئی ایسی بدعت جاری نہیں ہوئی مگر اس کے جنم کا شرف کوفہ کو حاصل رہا ہے اگر احادیث میں کذب واختراع کا سلسلہ جاری ہوا تو اس کی ابتداء بھی عراق وکوفہ سے ہوئی، اعتزال، ارجاء اور اہل الرائے کے باطل نظریات لوگوں تک اسی علاقہ کے توسط سے پہنچے جس کی وجہ سے ائمہ محدثین نے ایسے باطل نظریات کے حاملین کی روایات کو رد کر دیا اور واضح کیا کہ یہ لوگ حدیث میں جھوٹ کی آمیزش کرنے سے باز نہیں آتے اس لئے یہ روایت میں قابل اعتماد نہیں ہیں ہاں یہ درست ہے کہ کوفہ میں ایسے بعض اہل علم موجود تھے جو آراء و قیاسات کے خلاف آثار واحادیث پر عامل تھے ان کا مسلک محدثین کا ہی مسلک تھا وہ کوفہ میں رہتے ہوئے بھی اہل کوفہ کے مذہب سے نفرت کھاتے تھے'' [1]۔

قارئین محترم: آپ اگر کوفہ کی علمی حیثیت کے ذیل میں ہماری پیش کردہ معروضات کو سامنے رکھیں گے تو آپ پر گوندلوی صاحب کے اِن ملفوظات کی سخافت اور اِن کا لچر پن واضح ہو جائے گا، ہم بغیر کسی تبصرہ کے موصوف سے صرف ایک سوال کرتے ہیں کہ جب کوفہ ابتداءِ تعمیر سے ہی فتنوں کی آماجگاہ رہا ہے وہاں کثرت سے رائے و قیاس کا استعمال رہا، وہاں آثار کی کمی اور روایات کی قلت رہی، اِن لوگوں نے صحابہ کرام کا صاف ستھرا منہج چھوڑ کر رائے و قیاس کی طرف میلان کیا، کوفہ ہمیشہ سے بدعات وحوادثات کا مرکز رہا، تمام بدعات کے جنم کا شرف کوفہ کو ملا یہاں کے لوگوں کی روایات کو محدثین نے رد کر دیا اور اِن کی روایات کو نا قابل اعتماد قرار دیا تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لاتعداد مرتبہ وہاں کیا لینے جاتے رہے؟ اور انہوں نے وہاں کے رہنے والے کثیر صحابہ اور ایک دو نہیں تین سو سے زائد افراد کی روایات بخاری میں کیوں درج کیں؟ اس کا جواب اس

---

[1] خیر البراہین صفحہ ۲۴

کے علاوہ کچھ نہیں کہ گوندلوی صاحب نے جو باتیں بیان کی ہیں یا تو وہ سرے سے غلط جھوٹ اور کذب و بہتان ہیں یا پھر حضرت امام بخاریؒ سے العیاذ باللہ بڑی غلطی ہوئی کہ وہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود محدثین کوفہ سے روایات لے کر اپنی جامع میں درج کرتے رہے۔ **ھل من مجیب؟**

غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگرد مولانا عبدالسلام بستوی فقہ کی دو قسمیں کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"عراقیوں میں احادیث رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ و تابعین کی بالکل کمی تھی اور اس کا ذوق بھی ان میں کم تھا اس وجہ سے ان کے مسائل کی بنا زیادہ تر رائے وقیاس پر رہی ان کا میلان ان کی گرویدگی احادیث و آثار کا تتبع چھوڑ کر رائے وقیاس کی طرف رہا اس وجہ سے وہ اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے" [1]

مولانا مرحوم تو دنیا سے چلے گئے اب ہمارا ان کے متبعین سے یہ سوال ہے کہ اگر عراق میں احادیث و آثار کی ایسی ہی کمی تھی اور اہل عراق رائے وقیاس کے ایسے ہی گرویدہ تھے تو پھر امام بخاریؒ بار بار عراق کیوں جاتے رہے؟ اور انہوں نے جو پونے دو سو سے زائد مشائخِ عراق سے براہ راست روایات لیں کیا انھیں رائے وقیاس کہا جائے گا؟ اور تین سو سے زائد کوفی محدثین کی جو روایات بخاری شریف میں ذکر کیں وہ کہاں سے آگئیں کیا وہ سب رائے وقیاس ہیں؟ **ھل من مجیب۔**

غیر مقلدین کے ایک عالم "حقیقت الفقہ" کے مصنف مولانا محمد یوسف جے پوری جنہوں نے اپنی کتاب میں احناف اور فقہء حنفی کے خلاف دل کھول کر اپنے بغض وحسد کا اظہار کیا ہے اور دجل و تلبیس سے کام لینے میں ذرا بھی شرم وحیا سے کام نہیں لیا، ان جے پوری صاحب نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے "اہل کوفہ کی حدیث دانی" اس عنوان کے تحت انہوں نے بعض محدثین کی طرف منسوب بے سند اقوال ذکر کر کے یہ نتیجہ

---

[1] سیرۃ البخاری صفحہ ۳۰۴

نکالنے کی کوشش کی ہے کہ اہل کوفہ کی احادیث نا قابل اعتماد ہیں ان کی حدیثوں میں نور نہیں وہ سب دیوار پر مار دینے کے قابل ہیں۔

جے پوری صاحب تو اب دنیا میں ہیں نہیں کہ ہم اُن سے پوچھتے اب ہم اُن کے نام لیواؤں سے سوال کرتے ہیں کہ اگر اہل کوفہ کی حدیثیں واقعی ایسی ہی تھیں جیسے کہ جے پوری صاحب نے بیان کیا ہے تو پھر حضرت امام بخاریؒ کوفہ کیوں گئے اور اُنہوں نے اہل کوفہ کی حدیثوں پر کیوں اعتماد کیا اور کیوں اُنہوں نے تین سو سے زائد کوفی رُواۃ کی حدیثوں سے اپنی ''جامع'' کو مزین کیا؟

غیر مقلدین کے ایک اور نامور عالم حکیم اشرف سندھو صاحب تحریر فرماتے ہیں

> ''رئیس المحدثین امام ترمذیؒ کا قطعی و ناطق فیصلہ بھی سنتے چلیے ''لولا جابر الجعفی لکان اھل الکوفة بغیر حدیث ولولا حماد لکان اھل الکوفة بغیر فقه (ترمذی ص۲۹) اگر جابر جعفی ایسا کذاب نہ ہوتا تو حنفی مذھب کے پاس کوئی حدیث نہ ہوتی اور اگر حضرت حماد کوفی نہ ہوتے تو حنفیت فقہ سے تہی دست ہوتی، جابر جعفی کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑا کذاب فرماتے ہیں اور حضرت حماد بھی متکلم فیہ یعنی غیر معتبر ہیں''[1]

ملاحظہ فرمایئے یہ حال ہے غیر مقلدین کے نامور علماء کا یوں لگتا ہے کہ یہ بچارے جب احناف اور فقہ حنفی کے خلاف بھڑاس نکالنے پر آتے ہیں تو عقل و خرد سے بالکل ہاتھ دھو لیتے ہیں چنانچہ حکیم صاحب نے اپنی اس عبارت میں جو تحریر فرمایا ہے وہ عقل و خرد سے ہٹ کر تحریر فرمایا ہے اور جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس پر مستزاد ہے۔

حکیم صاحب کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ جسے وہ امام ترمذیؒ کا قطعی و ناطق فیصلہ قرار دے رہے ہیں وہ سرے سے امام ترمذیؒ کا قول ہی نہیں ہے وہ تو امام وکیعؒ کا قول ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں

---

[1] نتائج التقلید صفحہ ۹۰

"قال ابو عیسیٰ سمعت الجارود ابو عیسیٰ یعنی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں یقول سمعتُ وکیعا یقول لولا جابر نے جارود سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے الجعفی الخ"[1] وکیع کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ......

دوسرے یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حکیم صاحب اہل کوفہ سے مراد حنفی لیتے ہیں یہ بات اگرچہ خود حکیم صاحب کے بزرگوں کی تحقیق کے بھی خلاف ہے (دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص) تاہم اگر حکیم صاحب کی بات کو مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا حضرت امام بخاریؒ نے جو بخاری شریف میں تین سو سے زائد محدثین کوفہ سے احادیث لی ہیں اُن سب کی بنیاد بھی جابر جعفی پر ہے اگر کوفہ والے احادیث سے اس قدر تہی دست اور صرف وصرف جابر جعفی پر تکیہ کرنے والے تھے تو آخر امام بخاریؒ کو کیا ہوا تھا کہ وہ بار بار کوفہ جاتے رہے اور وہاں کے محدثین کی حدیثوں سے اپنی کتاب کو مزین کرتے رہے؟

قارئین محترم! بات خاصی طویل ہوگئی ذکر چل رہا تھا حضرت امام بخاریؒ کے سماع حدیث کے لئے سفر کا کہ آپ نے طلب حدیث کے سلسلہ میں شام، ایران عراق، مصر، جزیرہ وغیرہ ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے احادیث مبارکہ حاصل کیں۔

طلب علم میں مشقتیں برداشت کرنا:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو طالب علمی کے ایام میں بہت سی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ نے ان مشقتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا

> "محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں میں نے خود امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: میں تحصیل حدیث کے لئے آدم بن ابی ایاس کی خدمت میں پہنچا، وہاں گھر سے خرچہ آنے میں دیر ہوگئی نوبت یہاں تک پہونچی کہ میں گھاس کھا کر گزارہ کرنے لگا تاہم میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا، جب تیسرا دن ہوا تو میرے

[1] ترمذی شریف باب ماجاء فی فضل الاذان صفحہ ۵۱

پاس ایک اجنبی شخص آیا اور اس نے مجھے اشرفیوں کی ایک تھیلی دی اور کہنے لگا اسے اپنے پر صرف کیجئے''[1]

''عمر بن حفص الاشقر کا بیان ہے کہ ہم چند ہم سبق جن میں امام بخاریؒ بھی شریک تھے بصرہ میں احادیث لکھا کرتے تھے اس دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ امام بخاریؒ کئی روز تک نہ آئے ہم نے تفتیش کی تو پتہ چلا کہ خرچ ختم ہونے کے سبب نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ بدن کے کپڑے بھی فروخت کرنے پڑ گئے تھے جس کی وجہ سے آپ گھر میں برہنہ بدن رہنے پر مجبور تھے، ہم نے امام بخاریؒ کے لئے چندہ کیا اور کپڑے تیار کروائے پھر آپ نے درس میں شرکت فرمائی،،[2]

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اس ذوق وشوق اور محنت ومشقت کے برداشت کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کی اُس دولت سے نوازا کہ آپ اپنے اَقران پر سبقت لے گئے اور بڑے بڑے اساطینِ علم وفضل آپ کے مرتبہ ومقام کے قائل ہو گئے آپ کے بارے میں جو آپ کے استاذِ مکرم امام ابو حفص کبیر الحنفیؒ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ''ھذا شاب'' کیس'' ارجو ان یکون لہ صیت'' و ذکر''[3] یہ نوجوان نہایت عقلمند ہے مجھے اُمید ہے کہ آگے چل کر اس کی بڑی شہرت اور چرچا ہوگا۔ اس پیشین گوئی کا ظہور ہوا چنانچہ دور دور تک آپ کی شہرت پھیل گئی، آپ جہاں تشریف لے جاتے پورا شہر آپ کے استقبال کیلئے اُمڈ پڑتا۔

خود داری:

امام بخاریؒ کی مقدس زندگی میں بعض ایسی شائستہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آتی ہیں، چنانچہ آپ کی طبیعت سخت درجہ غیور، خوددار اور بے تکلف تھی آپ علم کی عظمت پر کسی لحہ بھی آنچ نہ آنے دیتے تھے اور علم کی بے وقعتی کسی

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۴۸ ـ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۴۸ ـ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۲۵

صورت بھی آپ کو برداشت نہیں تھی۔

"حضرت امام بخاریؒ کی غیرت اور خودداری کے سلسلہ میں ایک عبرت آموز واقعہ مشہور ہے

"ایام طالب علمی میں ایک بار امام (بخاریؒ) کو دریائی سفر پیش آیا، امام ایک ہزار اشرفیاں لے کر دریا میں سوار ہوئے، ایک رفیق سفر بھی مل گیا جس نے عقیدت مندانہ راہ و رسم کی بناء پر اپنا اعتماد قائم کرلیا، امام نے اسے اشرفیوں کی بھی اطلاع دے دی، ایک صبح جب یہ عقیدت مند سو کر اُٹھا تو باواز بلند رونا پیٹنا شروع کیا، لوگوں نے باصرار پوچھا تو اس نے بتلایا کہ میری ایک ہزار اشرفیاں گم ہوگئی ہیں اُس کی اس درجہ پریشانی کے پیش نظر جہاز والوں کی تلاشی لی جانے لگی، امام نے یہ دیکھ کر وہ تھیلی سمندر میں ڈال دی، امام کی بھی تلاشی لی گئی لیکن جب کہیں سے بھی وہ اشرفیاں ہاتھ نہ آئیں تو جہاز والوں نے اسے بہت شرمندہ کیا، جب سفر ختم ہوگیا اور جہاز سے تمام مسافر اُتر گئے تو اس شخص نے امام صاحب سے ملاقات کی اور اشرفیوں کے بارے میں دریافت کیا، امام نے فرمایا کہ میں نے انھیں سمندر میں پھینک دیا تھا اس نے کہا کہ اتنی بڑی رقم کا ضیاع آپ نے کس طرح برداشت فرمالیا، امام نے فرمایا کہ جس دولتِ ثقاہت کو میں نے عمر عزیز گنوا کر حاصل کیا اسے چند ٹکوں کے عوض نہیں لٹایا جاسکتا"[1]

غنجار تاریخ بخاری میں اپنی سند سے لکھتے ہیں

"خالد بن احمد ذہلی حاکمِ بخارا نے حضرت امام بخاری کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ جناب میرے پاس تشریف لاکر بخاری اور تاریخ کا درس دیں تاکہ میں بھی ان کا سماع کرسکوں، آپ نے حاکم

[1] ایضاح البخاری ج ا ص ۳۶ سیرۃ البخاری ص ۶۷

بخاری کے قاصد سے فرمایا: نہ میں علم کو ذلیل کر سکتا ہوں اور نہ اُسے لوگوں کے دروازوں پر لئے لئے پھر سکتا ہوں حاکم بخاری سے کہو کہ اگر تمہیں ان کتابوں کے سماع کی ضرورت ہے تو میری مسجد یا میرے گھر میں آ کر سماع کرو اور اگر تمہیں یہ بات ناگوار لگے تو تم سلطانِ وقت ہو مجھے درسِ حدیث سے زبردستی روک دو تا کہ کل قیامت کے دن اللہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے میرے پاس عذر ہو"[1]

حضرت امام بخاریؒ کے اس کورے جواب پر حاکم بخاری آپ سے بگڑ گیا اور مختلف حیلوں سے آپ کو بخاری سے نکال دیا۔

سادگی و قناعت، زہد و تقویٰ:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو میراث میں اپنے والد اسماعیلؒ سے غیر معمولی دولت ملی تھی امام ابو حفص کبیرؒ کا یہ بیان پیچھے گزر چکا ہے کہ میں اسماعیلؒ کی وفات کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا اس موقع پر انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے مال میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں پاتا[2] حضرت امام بخاریؒ نے اس پاکیزہ مال کو تجارت میں مضاربت کی صورت میں لگا دیا تھا تا کہ خود تجارت کے جھمیلوں سے فارغ الذہن ہو کر سکون کے ساتھ دین کی خدمت کر سکیں۔

وَرّاقِ بخاریؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی مُضارِب نے امام بخاریؒ کی پچیس ہزار درہم کی خطیر رقم دبالی آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ یہاں کے گورنر سے مقروض کے مقامِ سکونت کے گورنر کے نام ایک خط لکھوا لیجئے رقم بآسانی وصول ہو جائے گی، آپ نے فرمایا: "اگر آج میں گورنر سے خط حاصل کروں گا تو کل وہ میرے معاملات میں دخل انداز ہوں گے، میں دنیا کی بدولت اپنے دین کا نقصان برداشت نہیں کر سکتا" درمیان میں کچھ معاملات پیش آئے بالآخر آپ نے مقروض سے اس بات پر صلح کر لی کہ وہ ہر مہینے دس درہم آپ کو ادا کیا کرے گا لیکن وہ تمام رقم ضائع ہو گئی اور آپ کو کچھ وصول نہ ہوا۔[3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۶۴ [2] ہدی الساری صفحہ ۴۷۹ [3] ایضاً صفحہ ۴۷۹

وراقِ بخاریؒ کا بیان ہے کہ امام بخاریؒ نے فرمایا: میں نے کبھی خرید و فروخت کا معاملہ خود نہیں کیا بلکہ میں کسی دوسرے کی معرفت یہ کام کرواتا ہوں اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: خرید و فروخت میں ادھر ادھر کی جھوٹی سچی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو مناسب نہیں [1]

غنجار تاریخ بخاری میں اپنی سند سے ناقل ہیں کہ

''ایک دفعہ امام ابو حفص کبیرؒ نے امام بخاریؒ کی خدمت میں کچھ مال بھیجا، شام کے وقت امام بخاریؒ کے پاس کچھ تاجر آئے اور انہوں نے پانچ ہزار کا نفع دے کر وہ مال خریدنا چاہا، آپ نے فرمایا آج رات تو رہنے دو (صبح آنا) صبح ہوئی تو دوسرے تاجر آئے اور انہوں نے دس ہزار کا نفع دے کر مال خریدنا چاہا، آپ نے یہ فرما کر ان سے انکار کر دیا کہ میں کل شام آنے والے تاجروں کو یہ مال دینے کی نیت کر چکا ہوں میں نہیں چاہتا کہ اس نیت کو توڑوں'' [2]

حضرت امام بخاریؒ دولت و ثروت کی بہتات کے باوجود نہایت سادہ اور فقیرانہ زندگی گزارتے تھے، آپ کی فقیرانہ زندگی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو یوسف بن ابی ذر بخاری نے بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں

''ایک دفعہ حضرت امام بخاریؒ بیمار ہوئے تو آپ کے اقرباء نے آپ کا قارورہ اطباء کو دکھلایا، اطباء نے تشخیص کے بعد کہا کہ یہ قارورہ اُن راہبوں کے قارورہ کے مشابہ ہے جو روٹی کے ساتھ سالن استعمال نہیں کرتے امام بخاریؒ نے اطباء کی تصدیق کی اور فرمایا: چالیس برس سے میں نے سالن استعمال نہیں کیا، اقرباء نے اطباء سے علاج دریافت کیا تو انہوں نے سالن کا استعمال بتلایا، امام بخاریؒ نے انکار کر دیا علماء و مشائخ نے سالن کے استعمال پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اچھا روٹی کے ساتھ شکر استعمال کر لوں گا'' [3]

---

[1] [2] ھدی الساری صفحہ ۴۷۹ [3] ایضاً صفحہ ۴۷۹ [3] ایضاً صفحہ ۴۸۱

حضرت امام بخاریؒ کو سادگی و قناعت اور فقیرانہ زندگی کے ساتھ مالی معاملات میں جس قدر صفائی کا خیال رہتا تھا اسی قدر آپ آخرت میں پیش آنے والے معاملات کی صفائی کا بھی خیال رکھتے تھے، اگر آپ کو کوئی زک پہونچاتا تو اُسے معاف فرمادیتے اور اگر آپ کو یہ اندیشہ ہوتا کہ میرے کسی قول و فعل سے دوسرے کو تکلیف پہونچی ہوگی تو اس سے ہر صورت معاف کرواتے اس قسم کے بہت سے واقعات آپ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں دو چار واقعات نذر قارئین کئے جاتے ہیں۔

''عبداللہ بن محمد صارفیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر تھا آپ کی باندی آپ کے پاس آئی وہ اندر جانا چاہتی تھی کہ آپ کے سامنے رکھی ہوئی روشنائی کی دوات اس کی ٹھوکر لگنے کی وجہ سے گرگئی، آپ نے اس سے کہا تو کیسے چلتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب کسی جانب راستہ ہی نہ ہو تو کیا کیا جائے اس پر امام بخاریؒ نے (غصہ ہونے کی بجائے) ہاتھ دراز کرکے فرمایا: جا چلی جا میں نے تجھے آزاد کیا، اس پر کسی نے امام سے پوچھا کہ اس نے تو آپ کو ناراض کیا تھا، آپ نے فرمایا اس نے اگرچہ مجھے ناراض کیا تھا تاہم میں نے اپنے آپ کو اس فعل سے راضی کرلیا''[1]

وَرّاقِ بخاریؒ کا کہنا ہے

''ایک دفعہ میں نے حضرت امام بخاریؒ کو سنا کہ وہ ابو معشر سے جو کہ نابینا تھے یہ فرمارہے ہیں کہ اے ابو معشر تم مجھے معاف کردو ابو معشر نے حیرت و استعجاب کے ساتھ عرض کیا کہ کیسی معافی؟ فرمایا: ایک مرتبہ میں نے حدیث بیان کرتے ہوئے تمہاری طرف دیکھا تو تم فرطِ مسرت سے (انوکھے انداز میں) اپنا سر اور

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۵۲

ہاتھ ہلا رہے تھے، اس پر میں مسکرا دیا تھا، ابو معشر نے جواباً عرض کیا کہ امام اللہ آپ پر رحم و کرم فرمائے آپ معاف ہی معاف ہیں آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہے''[1]

وَرّاق بخاریؒ فرماتے ہیں

''امام بخاریؒ تیر اندازی کے لئے باہر میدان میں تشریف لے جایا کرتے تھے آپ ایسے اچھے تیر انداز تھے کہ میں نے آپ کے ساتھ طویل رفاقت میں دو مرتبہ کے علاوہ کبھی آپ کا نشانہ چوکتا ہوا نہیں دیکھا''[2]

''ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم امام بخاریؒ کے ساتھ فربر کے باہر تیر اندازی کے لئے چلے تو شہر کے اس پھاٹک کی طرف نکل گئے جو دریاءِ وَرّاذہ کے دہانے پر پہونچا دیتا ہے، تیر اندازی شروع ہوئی تو امام بخاریؒ کا تیر دریاءِ وَرّاذہ کے پُل کی میخ پر جا لگا جس سے میخ کو نقصان پہونچا آپ نے یہ دیکھا تو سواری سے اُتر کر میخ سے تیر نکالا اور تیر اندازی کو موقوف کر کے فرمایا واپس چلو چنانچہ ہم واپس ہو لئے گھر پہونچ کر فرمایا: ابو جعفر مجھے تم سے کچھ کام ہے کرو گے؟ اس موقع پر آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ لمبے لمبے سانس لے رہے تھے، خیر میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں فرمایا: پُل والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہمارے تیر سے تمہارے پُل کی میخ کو نقصان پہونچا ہے اس لئے یا تو ہمیں اجازت دی جائے کہ اس کی جگہ دوسری لگا دیں یا پھر ہم سے اس کی قیمت لے لی جائے تا کہ ہم سے جو نقصان ہوا ہے ہم اس سے بری الذمہ ہو جائیں پُل کے مالک حمید بن الاخضر نے کہا ابو جعفر، امام بخاری کو میری طرف سے سلام پہونچا دو

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ صفحہ ۴۴۴ [2] ایضاً صفحہ ۴۴۴

اور کہو کہ نہ صرف میں نے معاف کیا بلکہ میری ساری دولت آپ پر
قربان ہے، ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو پُل والے کا
پیغام پہونچایا تو آپ کا چہرہ کھِل گیا آپ نے نہایت خوشی کا اظہار
فرمایا اور خوشی میں آپ نے پانچسو احادیث سنائیں اور تین سو درہم
فقراء پر تقسیم کئے“[1]

غیبت سے اجتناب:

محمد بن ابی حاتم وَرّاقِ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”ما اغتبتُ احدًا منذ علمتُ ان الغیبة حرام“[2] جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

بکر بن منیر کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”انی لا رْجو انْ اَلْقَی اللہ ولا یحا سبنی انی اغتبت احدا “[3] مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی کی غیبت کا محاسبہ نہیں فرمائیں گے۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آخرت میں مجھ سے کوئی کسی حق کا مطالبہ کرنے والا نہیں ہوگا، میں نے عرض کیا کہ لوگ آپ کی تاریخ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں غیبت کی گئی ہے، فرمایا: ہم نے تاریخ میں متقدمین کے اقوال نقل کئے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا“[4]

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”وللبخاری فی کلامه علی الرجال توق زائد و تحر بلیغ یظهر لمن تأمل کلامه فی الجرح و التعدیل فان اکثر مایقول سکتوا	امام بخاریؒ نے جو رجال پر کلام کیا ہے اس میں بہت زیادہ احتیاط اور انتہائی تورع پایا جاتا ہے جو ہر اس شخص پر ظاہر ہوتا ہے جو جرح و تعدیل کے سلسلہ میں آپ کے کلام میں

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۴۳ [2] ھدی الساری صفحہ ۴۸۰ [3] ھدی الساری صفحہ ۴۸۰ [4] ھدی الساری صفحہ ۴۸۰

عنه ،فيه نظر،تركوه و نحو هذا وقل ان يقول كذّاب'' او وضّاع'' وانما يقول كذبه فلان ،رماه فلان يعني بالكذب ''[1]

تأمل کرتا ہے، اکثر امام بخاریؒ فقط یہ فرماتے ہیں کہ سکتوا عنہ محدثین نے اس سے سکوت کیا ہے، فیہ نظر اس شخص میں نظر ہے، ترکوہ، محدثین نے اس سے حدیث لینا چھوڑ دیا تھا، بہت کم ایسا ہوا ہے کہ امام بخاریؒ نے کہا ہو فلاں راوی کذّاب یا وضاع ہے البتہ ایسے موقع پر آپ یہ فرماتے تھے کہ فلاں نے اس راوی کو جھوٹا قرار دیا ہے اور فلاں نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا ہے

تنبیہ:

قارئین محترم! آپ نے حضرت امام بخاریؒ کے مذکورہ حالات سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ امام عالی مقام رعایتِ حقوق کا کس قدر خیال فرماتے تھے، محاسبہ، آخرت کی آپ کو کس قدر فکر تھی اور آپ دوسروں کی عیب چینی اور غیبت سے بچنے کا کس قدر اہتمام کرتے تھے، اس کے برعکس ہمارے غیر مقلد بھائی جو حضرت امام بخاریؒ سے عشق و محبت کے دعویدار ہیں اُن کا جو حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، ان حضرات کے اندر فقہاء اور صوفیاء کا اس قدر بغض بھرا ہوا ہے کہ بیان سے باہر ہے، اگر اس کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو ان حضرات کی فقہاء وصوفیاء کے خلاف لکھی ہوئی تحریرات ملاحظہ کر لی جائیں جو بازار میں عام ملتی ہیں۔

کہلاتی ہیں۔

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۸۰

شوق عبادت

یوں تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی عبادت گزاری کے لئے یہی وصف کیا کم ہے کہ آپ کا ہر کام حضور اکرم ﷺ کی اتباع و پیروی میں ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ آخر شب میں تیرہ رکعتیں ادا فرماتے تھے، ماہِ رمضان المبارک میں اس کی رفتار فزوں تر ہو جاتی تھی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ امام حاکمؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

"کان محمد بن اسماعیل البخاری اذا کان اول لیلة من شهر رمضان یجتمع الیه اصحابه فیصلی بهم و یقرأ فی کل رکعة عشرین آیة و کذالك الی ان یختم القرآن و کان یقرأ فی السحر مابین النصف الی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی کل ثلاث لیالٍ، و کان یختم بالنهار فی کل یوم ختمة ویکون ختمه عند الافطار کل لیلة، ویقول عند کل ختمة دعوة مستجابة"[1]

حضرت امام بخاریؒ کا معمول تھا کہ جب رمضان کی پہلی شب آتی تو لوگ آپ کی خدمت میں جمع ہو جاتے، آپ انھیں اس شان سے نماز پڑھاتے کہ ہر رکعت میں بیس آیتوں کی تلاوت کرتے اس طرح رمضان شریف میں ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے، پھر خود تنہا بوقتِ سحر قرآن کریم نصف اور تہائی کے درمیان پڑھتے تھے اور اس طرح بوقتِ سحر ہر تین راتوں میں ایک قرآن پاک ختم فرمادیتے، پھر رمضان المبارک میں دن بھر تلاوت فرماتے اور روزانہ ایک قرآن پاک ختم فرمادیتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم قرآن پر ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

تنبیہ:

قارئین محترم! امام حاکمؒ کے اس بیان سے دو چیزیں سامنے آئیں

[1] ہدی الساری صفحہ ۴۸۱

ایک تو یہ کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تراویح اور تہجد میں فرق ہے دونوں ایک نہیں ہیں، تراویح الگ نماز ہے اور تہجد الگ نماز ہے لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ کے اس عمل کے خلاف ہیں اُن کا اس پر شدت کے ساتھ اصرار ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں نہیں ہیں دونوں ایک ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب رقم طراز ہیں

"بعض لوگ تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے ہیں یہ غلط ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں ملتی"۔[1]

علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"صحیح یہ ہے کہ تراویح، تہجد، وتر، صلوٰۃ اللیل سب ایک ہی ہیں"۔[2]

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب رقمطراز ہیں

"رسول اللہ نے لوگوں کو تراویح کی نماز مع وتر پڑھائی اور اس کے بعد آپ نے تہجد ہرگز نہیں پڑھی اور نہ ہی وتر پڑھے معلوم ہوا کہ آپ کا قیام لیل (تہجد) رمضان میں قیام رمضان (تراویح) سے بدل گیا یعنی حضور جو تہجد اور وتر غیر رمضان نیند سے اُٹھ کر پڑھتے تھے رمضان میں وہی تہجد اور وتر تراویح کے نام سے نیند سے قبل بعد عشاء پڑھ لیتے تھے"۔[3]

تقریباً تمام غیر مقلدین کا یہی مسلک و موقف ہے جو حضرت امام بخاریؒ کے مسلک و موقف اور عمل کے بالکل خلاف ہے۔

دوسری چیز

یہ سامنے آئی کہ حضرت امام بخاریؒ رمضان المبارک میں دن میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک تین دن سے کم

---

[1] رسول اکرم کی نماز صفحہ ۹۸۔ [2] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۷۷۔ [3] صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۸۰

میں قرآن کریم ختم کرنا جائز ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں باقاعدہ ایک باب قائم کرکے یہ بات ثابت فرمائی ہے ملاحظہ فرمایئے بخاری شریف ج ۲ ص ۷۵۵ جبکہ غیر مقلدین حضرات اس کے سخت خلاف ہیں ان کا کہنا ہے کہ تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنا مکروہ اور خلافِ ادب ہے

چنانچہ علامہ وحید الزماں تحریر فرماتے ہیں

''عمدہ یہ ہے کہ قرآن سمجھ کر آہستگی کیساتھ چالیس دن میں ختم کیا جائے حد سات روز میں انتہا تین روز میں، اس سے کم میں ختم کرنا ہمارے شیخ اہل حدیث نے مکروہ جانا ہے اور ادب و تعظیم کے بھی خلاف ہے'' [1]

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

''اور اہل حدیث نے تین دن سے جلد میں قرآن کا ختم کرنا مکروہ رکھا ہے'' [2]

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سارے سال تہجد میں روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے اِس پر غیر مقلدین حضرات زبان طعن دراز کرتے ہیں کہ یہ حدیث کے خلاف اور بدعت ہے، لیکن حضرت امام بخاریؒ کے خلاف کچھ نہیں کہتے جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ دونوں کا اس سلسلہ میں ایک ہی موقف ہے غیر مقلدین ہی بتلا سکتے ہیں کہ وجہ فرق کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے

ے عین الرضا عن کل عیب کلیلة وعین السخط تبدی المساویا .

عبادت میں انہماک و استغراق:

حضرت امام بخاریؒ نہایت خشوع و خضوع اور انتہائی انہماک و استغراق کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے آپ کے انہماک و استغراق کا اندازہ اُس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جو

---

[1] تیسیر الباری ج ۳ صفحہ ۱۳۱۔ [2] تیسیر الباری ج ۶ صفحہ ۵۳۵۔

آپ کے وڑاق محمد بن ابی حاتم نے نقل کیا ہے، محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں

''حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو اُن کے کسی شاگرد کے باغ میں آنے کی دعوت دی گئی جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے نوافل کی نیت باندھ لی اور طویل قیام فرمایا، نوافل سے فارغ ہوئے تو اپنی قمیص کا دامن اُٹھا کر حاضرین میں سے کسی سے فرمایا: دیکھنا میری قمیص کے اندر کوئی چیز تو نہیں ہے؟ اُس نے دیکھا تو پتہ چلا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ یا سترہ جگہ ڈنک مارا ہے جس کی وجہ سے آپ کا بدن سوج گیا ہے کسی نے امام سے عرض کیا کہ آپ نے پہلی ہی بار میں نماز کیوں نہ منقطع فرما دی؟ آپ نے فرمایا: میں نے ایک سورت شروع کر رکھی تھی جی چاہتا تھا کہ اُسے پورا کرلوں'' [1]

تنبیہ:

یہ تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی نماز کا حال تھا اس کے برعکس ہمارے غیر مقلد بھائی جو نماز پڑھتے ہیں اس نماز کا نقشہ اُنہی کے ایک عالم و مؤرخ مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی زبانی ملاحظہ فرماتے چلیں ---اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی تحریر فرماتے ہیں

''گوناگوں مصروفیتوں کی بناء پر ان بچاروں کیلئے نماز پڑھنا مشکل ہے یہ تو ان کی بہت بڑی قربانی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بے پناہ مصروفیات سے تھوڑا سا وقت نکال کر دو چار رکعت نماز پڑھ لیتے ہیں اور نماز ہی میں ان کو کھُرکنے اور جسم کے مختلف حصوں پر ہاتھ پھیرنے کو وقت ملتا ہے اور یاد آتا ہے کہ ''کھرک فی الصلوٰۃ'' بھی ایک مسئلہ ہے جس پر عمل ہونا چاہیے'' [2]

---

[1] تہذیب الکمال ج ۲۴ صفحہ ۴۴۷ ۔ [2] نقوش عظمت رفتہ صفحہ ۲۴

حضرت امام بخاریؒ کا مسلک:

حضرت امام بخاریؒ کا مسلک کیا ہے اِس بارے میں اختلاف ہے، کچھ حضرات انھیں شافعی المذہب بتلاتے ہیں اور کچھ حنبلی المسلک، ابو عاصم عبّادی، امام تاج الدین سبکی، حضرت شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خان آپ کو حضرت امام شافعیؒ کا مقلد بتلاتے ہیں اور ابن ابی یعلی علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ آپ کو حضرت امام احمد کا مقلد بتلاتے ہیں۔ قارئین کے سامنے ان سب حضرات کی تحریرات پیش کی جاتی ہیں تا کہ کسی قسم کا خفا نہ رہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (م: ۷۷۱ھ) نے حضرت امام بخاریؒ کا ''طبقات الشافعیہ'' میں تفصیلی تذکرہ کیا ہے اس تذکرہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں

''ذکر ابو عاصم اَلْعَبَّادِیُ ابا عبد اللہ فی کتابہ الطبقات و قال سمع من الزعفرانی و ابی ثور و الکرابیسی قلتُ و تفقہ علی الحمیدی و کلھم من اصحاب الشافعی''[۱]

ابو عاصم عبادی نے حضرت امام بخاری کا تذکرہ اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابوثور اور کرابیسی سے سماع حدیث کیا ہے (علامہ سبکی کہتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے امام حمیدیؒ سے فقہ حاصل کی تھی اور یہ سب حضرات، امام شافعیؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ابو عاصم عبادی اور تاج الدین سبکی رحمھم اللہ کے نزدیک امام بخاریؒ شافعی المذہب ہیں۔

---

[۱] الطبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲ صفحہ ۲۱۴

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م:۱۱۷۴ھ) تحریر فرماتے ہیں

"ومن هذا القبيل محمد بن اسماعيل البخاری فانه معدود فی طبقات الشافعية، وممن ذكره فی طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكی وقال انه تفقه بالحميدی والحميدی تفقه بالشافعی، واستدل شيخنا العلامة على ادخال البخاری فی الشافعية بذكره فی طبقاتهم وكلام النووی الذی ذكرناه شاهد" لہ

اسی قبیل سے امام بخاریؒ بھی ہیں کہ وہ بھی طبقات شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں اور جن حضرات نے انھیں طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے ان میں امام تاج الدین سبکیؒ بھی ہیں تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ نے فقہ امام حمیدیؒ سے حاصل کی اور انہوں نے امام شافعیؒ سے حاصل کی، ہمارے شیخ حضرت علامہ نے امام بخاریؒ کے شوافع میں شمار کئے جانے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے امام بخاریؒ کو طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا ہے اور امام نوویؒ کا کلام جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اس کا شاہد ہے

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی حضرت امام بخاریؒ شافعی المذہب ہیں

غیر مقلدین کے مجدد الوقت اور مجتہد العصر نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب میں ائمہ احناف کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"فلنذكر نبذًا من ائمة الشافعية ليكون الكتاب كامل الطرفين حائز الشرفين، وهؤلاء صنفان احدهما من تشرف بصحبة الامام الشافعی والآخرمن تلاهم

اب ہم ائمہ شافعیہ کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں. تا کہ ہماری کتاب دونوں طرفوں سے کامل اور دونوں شرفوں کی جامع ہو جائے، ائمہ شافعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنہوں نے حضرت امام شافعیؒ کی صحبت کا شرف

لہ الانصاف مع ترجمہ وصاف صفحہ ۶۷

من الائمة ام الاول فمنهم احمد خالد الخلال .... واما الصنف الثاني فمنهم محمد بن ادريس ابو حاتم الرازي ،ومحمد بن اسماعيل البخاري"[1]

حاصل کیا ہے دوسرے وہ جو اصحاب امام شافعیؒ کے نقش قدم پر چلے ہیں پہلی قسم کے ائمہ شوافع یہ ہیں مثلاً احمد خالد الخلال، رہے دوسری قسم کے ائمہ شوافع تو وہ یہ ہیں محمد بن ادریس ابو حاتم رازی محمد بن اسماعیل بخاری،

نواب صاحب کی اس عبارت سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک امام بخاریؒ شافعی المذہب ہیں، نواب صاحب ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں

"قال الشيخ تاج الدين السبكي في طبقاته كان البخاري امام المسلمين و قدوة المومنين و شيخ الموحدين والمعول عليه في احاديث سيد المرسلين قال وقد ذكره ابو عاصم في طبقات اصحابنا الشافعية"[2]

شیخ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ میں فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اہل اسلام کے امام اہل ایمان کے مقتداء اور اہل توحید کے شیخ تھے سید الرسل حضرت محمد ﷺ کی احادیث کے بارے میں آپ پر اعتماد کیا جاتا تھا، علامہ سبکی فرماتے ہیں ابو عاصم نے امام بخاری کو ہمارے شافعی اصحاب کے طبقات میں ذکر کیا ہے۔

نواب صاحب کی یہ تحریر بھی صاف بتلا رہی ہے کہ اُن کے نزدیک امام بخاریؒ شافعی المذہب ہیں کیونکہ انہوں نے علامہ سبکی اور اُن کے حوالہ سے ابو عاصم عبادی کی بات نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے تردید نہیں کی۔

قاضی ابو الحسین محمد بن ابی یعلیٰ حنبلی رحمہ اللہ (م:) نے اپنی کتاب "طبقات الحنابلۃ"[3] میں حضرت امام بخاریؒ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک حضرت امام بخاری حنبلی المسلک ہیں۔

---

۱ ابجد العلوم ج ۳ ص ۱۲۶ طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور۔ ۲ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ صفحہ ۲۹۰۔ ۳ دیکھئے طبقات الحنابلہ ج ۱ صفحہ ۲۷۱

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م:۷۲۸ھ) ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں

"وائمة الحديث كالبخارى و مسلم و الترمذى و النسائى و غيرهم، هم ايضا من اتباعهما وممن يا خذا العلم و الفقه عنهما"[۱]

اور ائمہ حدیث مثلاً امام بخاری امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ بھی امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق بن راہویہ کے متبعین میں سے ہیں اور اُن حضرات میں سے ہیں جنہوں نے اُن سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (م:۷۵۱ھ) تحریر فرماتے ہیں

"كذالك البخارى و مسلم و ابو داؤد والاثرم، وهذه الطبقة من اصحاب احمد اتبع له من المقلدين المحض المنتسبين اليه"[۲]

ایسے ہی امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام اثرم ہیں، یہ طبقہ حضرت امام حنبلؒ کے اصحاب میں سے ہے اور اُن مقلدین محض سے کہیں بڑھ کر امام احمد کا متبع ہے جو امام احمدؒ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں

علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے حوالجات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک بھی حضرت امام بخاریؒ حنبلی المسلک اور امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ کو شافعی المذہب کہیں یا حنبلی المسلک بہر دو صورت ان کا مقلد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کچھ حضرات امام بخاریؒ کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ حضرت امام بخاریؒ مجتہد مطلق تھے اور شافعی صرف اس معنی میں تھے کہ ان کا اجتہاد حضرت امام شافعیؒ کے اجتہاد کے مطابق ہو جاتا تھا تحقیق سے یہ موقف درست معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ علامہ ابن حجر شافعی تحریر فرماتے ہیں

"ان البخارى فى جميع ما يورده من تفسير الغريب انما ينقله عن

امام بخاریؒ احادیث میں آنے والے غریب الفاظ کی تمام تفسیر اس فن کے اہل حضرات

---

[۱] فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۵ صفحہ ۲۳۲، [۲] اعلام الموقعین ج ۲ صفحہ ۲۲۳

اھل ذالک الفن کابی عبیدۃ و النضر بن شمیل والفراء و غیرھم واما المباحث الفقھیۃ فغا لبھا مستمدۃ لہ من الشافعی و ابی عبیدو امثالھم واما المسائل الکلامیۃ فا کثرھا من الکرابیسی وابن کلاب و نحوھما[1]	مثلاً ابو عبیدۃ، نضر بن شمیل اور فراء وغیرہ سے نقل کرتے ہیں، رہے فقہی مباحث تو ان میں سے بیشتر میں اُنہوں نے امام شافعیؒ ابو عبیدؒ وغیرہ سے مدد حاصل کی ہے اور اکثر مسائل کلامیہ کرابیسی اور ابن کلاب وغیرہ سے نقل کرتے ہیں،

علامہ ابن حجرؒ کی یہ عبارت واضح کر رہی ہے کہ امام بخاریؒ نے مباحث فقہیہ میں حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو عبیدؒ سے استمداد کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد مطلق نہ تھے، کیونکہ جو مستقل مجتہد ہوتا ہے وہ فقہی ابحاث میں خود اجتہاد کرتا ہے وہ نہ تو دوسروں سے استمداد کرتا ہے اور نہ ان کی نقل۔

دوسرے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر امام بخاریؒ مجتہد مطلق ہوتے تو آپ کا ذکر طبقات الفقہاء میں ہوتا لیکن طبقات الفقہاء میں آپ کا ذکر نہیں ملتا امام ابواسحٰق شیرازی شافعیؒ نے اپنی کتاب ''طبقات الفقہاء'' میں امام بخاریؒ کا تذکرہ نہیں کیا،

تیسرے اس پر بھی نظر ڈال لی جائے کہ مجتہدین کے اصول اجتہاد ہوتے ہیں جن کے تحت وہ اجتہاد کرتے ہیں اگر امام بخاریؒ مجتہد مطلق تھے تو اُن کے اصول اجتہاد ہوتے لیکن ہمیں اُن کے اصول اجتہاد نہیں ملتے۔

چوتھے یہ بات بھی دیکھی جائے کہ اگر امام بخاریؒ مجتہد مطلق تھے تو کتب فقہ اور اختلاف الفقہاء میں جہاں دیگر حضرات ائمہ مجتہدین کے فقہی اقوال منقول ہیں وہیں حضرت امام بخاریؒ کے اقوال بھی منقول ہونے چاہئے تھے حالانکہ کتب فقہ واختلاف اُن کے فقہی اقوال سے بالکل خالی ہیں۔

---

[1] فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۵۳ باب مایقول عند الخلاء۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ جو حضرت امام بخاریؒ کے اَجل تلامذہ میں سے ہیں وہ حضرت امام بخاریؒ سے حدیث کی تصحیح و تضعیف اور رُواۃ کی توثیق و تضعیف تو نقل کرتے ہیں لیکن کہیں بھی اُنہوں نے فقہی مذہب اور مسلک کے طور پر امام بخاریؒ کا قول ترمذی میں نقل نہیں کیا جبکہ حضرات ائمہ مجتہدین کے علاوہ بہت سے امام بخاریؒ سے کم درجہ کے حضرات فقہاء کرام کے اقوال اور مذاہب بھی انہوں نے نقل کئے ہیں یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت امام بخاریؒ مجتہد مطلق نہ تھے۔

پانچویں اس پر بھی غور کرلیا جائے کہ امام بخاریؒ کی کتاب صحیح بخاری میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں امام بخاریؒ ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں لیکن اس کے تحت نہ کوئی آیت ذکر کرتے ہیں نہ حدیث، اور بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں آپ نے حدیث تو ذکر کی ہے لیکن ترجمۃ الباب قائم نہیں فرمایا: چنانچہ امام بخاریؒ کے غیر مقلد سوانح نگار مولانا عبدالسلام مبارکپوری رقمطراز ہیں

> ''بعض تراجمِ ابواب کے تحت میں نہ کوئی حدیث ہے نہ قرآن کی آیت، نہ اثر صحابی نہ قول تابعی بلکہ بالکل بیاض ہے، یہ ایسا موقعہ ہے کہ کوئی مسئلہ پیش آیا لیکن اس کی دلیل بروقت نہ مل سکی، صورتِ مسئلہ بعنوان ترجمۃ الباب لکھ لیا اس خیال سے کہ اس پر غور کریں گے اور حدیث یا آیت عقب سے استدلالاً یا تردیداً ترجمۃ الباب کے تحت میں درج کی جائے گی لیکن موت نے مہلت نہ دی، بعض مقامات میں حدیث ہے ترجمۃ الباب ندارد، یہ اس وجہ سے کہ حدیث صحیح کا تیقن ہوگیا جس کو کتاب میں داخل کرلیا لیکن استنباطِ مسئلہ کی نوبت نہ آئی[1]''

حضرت امام بخاریؒ سے اپنی جامع میں ایسا کیوں ہوا شواہد سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی کہ آپ مجتہد مطلق نہ تھے، اگر آپ مجتہد مطلق

---

[1] سیرۃ البخاری ص ٦١

ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔

مولانا عبدالسلام صاحب اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ آپ کو موت نے مہلت نہیں دی اس لیے ایسا ہوگیا، مولانا کی ذکر کردہ وجہ نا قابلِ فہم اور محلِ نظر ہے اولاً تو اس لیے کہ امام بخاریؒ نے یہ کتاب چند دنوں یا مہینوں میں نہیں لکھی پورے سولہ سال میں لکھی ہے اس طویل عرصہ میں استنباط کا موقع نہ ملنا قابلِ تعجب ہے، ثانیاً اس لیے کہ امام بخاریؒ نے یہ کتاب ترتیب دینے کے بعد بارہا اس کا درس دیا ہے ایسی صورت میں یہ کہنا کہ موت نے آپ کو مہلت نہیں دی، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں

"الغرض ہماری تحقیق میں حضرت امام بخاریؒ شافعی المذہب تھے نہ تو وہ مجتہد مطلق تھے اور نہ بایں معنی شافعی تھے کہ اُن کا اجتہاد حضرت امام شافعیؒ کے اجتہاد کے موافق ہوجایا کرتا تھا بلکہ وہ بایں وسعتِ نظری شافعی المذہب تھے اور مقلد تھے مگر اس طرح جو اہلِ علم کی شان کے مناسب ہے"[1]

تنبیہ:

قارئین محترم آپ نے بڑے بڑے اکابر علماء کی تحریرات سے یقیناً جان لیا ہوگا کہ حضرت امام بخاریؒ مقلد تھے، مسائل اجتہادیہ میں اپنے امام کی تقلید کرتے تھے، حضرت امام بخاریؒ سے تقلید کے خلاف ایک حرف بھی ثابت نہیں، کسی جگہ بھی انہوں نے ائمہ مجتہدین کی مسائلِ فقہیہ میں تقلید کو بُرا نہیں کہا، لیکن غیر مقلدین حضرات جو امام بخاریؒ کی محبت کے دعویدار ہیں وہ تقلید کے اس قدر مخالف اور تقلید سے اس قدر الرجک ہیں کہ الامان والحفیظ، ان حضرات کا ہر چھوٹا بڑا فرد یہود و نصاریٰ کے پیشواؤں اور اُن کے اندھے مقلدین کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو ائمہ مجتہدین اور اُن کے مقلدین کے خلاف پڑھتا اور اُن پر چسپاں کرتا ہے، ان حضرات نے تقلید کے خلاف مستقل کتابیں اور

---

[1] طائفہ منصورہ ص ۱۱۱

رسائل لکھے ہیں جن کا انداز اس قدر گھٹیا اور بازاری ہے کہ ایک سنجیدہ آدمی کی طبیعت ان کو دیکھنے سے بھی کتراتی ہے، ان کتب ورسائل سے چند عبارات نذر قارئین کی جاتی ہیں تا کہ وہ ان حضرات کی سوچ اور فکر کا کچھ اندازہ کر سکیں۔

مولانا عبدالعزیز ملتانی لکھتے ہیں

''سرور کائنات ﷺ کے بعد چار سو سال تک اسلام تقلید کی آفت و آلائش سے پاک اور صاف وستھرا رہا'' [۱]

موصوف کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں

''یہ امر مسلم ہے کہ تقلید داءُ الاُمم قدیمی بیماری ہے اسی نے ہی اُمم ماضیہ کو انبیاء علیہم السلام کی اتباع سے ہٹا کر ہلاکت میں ڈالا'' [۲]

موصوف مزید آگے چل کر بدعات ورسومات کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

''پس جو وجہ ان مراسم کے بدعت ہونے کی ہے وہی بعینہٖ تقلیدی مذہب میں بھی موجود ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اُن کا بدعت ہونا تو تسلیم کیا جائے اور تقلید کو بدعت کہنے سے چشم پوشی کی جائے جو تمام بُرائیوں اور گمراہی کی باپ اور اصل ہے'' [۳]

سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام مولانا صلاح الدین یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں

''رہی یہ بات کہ تقلید بدعت وگمراہی ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں ہم پوری بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ تقلید بعض صورتوں میں شرک بن جاتی ہے تاہم بدعت وگمراہی تو بہر صورت ہے'' [۴]

بشیر الرحمٰن صاحب گوہر افشانی فرماتے ہیں

''حق یہ ہے کہ تقلید جہاں جہالت، بے عقلی، بے بصیرتی، کور بینی اور کوتاہ اندیشی ہے وہاں دین وایمان کے لئے بھی ضرر رساں ہے، تقلید کی موجودگی میں انسان کامل بھی نہیں بن سکتا، یقیناً تقلید دنیا

---

[۱] استیصال التقلید صفحہ ۲ [۲] ایضاً صفحہ ۵ [۳] ایضاً صفحہ ۹ [۴] اہل حدیث اور اہل تقلید صفحہ ۱۲

وآخرت میں موجب حرماں نصیبی اور سیاہ بختی ہے''[1]

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی صاحب رقمطراز ہیں

''اسلام میں سب سے بڑا فتنہ جو مسلمانوں کو پیش آیا وہ کتاب وسنت سے اعراض اور تقلید پر اکتفا کا تھا، خیر القرون بلکہ ائمہ اربعہ کے ادوار تک تقلیدی فتنہ معدوم تھا یوں ہی عجمی اثر ورسوخ کا اسلام میں نفوذ شروع ہوا تو نئے سے نئے فتنوں نے سر اٹھانا شروع کیا تقلید بھی ایک فتنہ تھا الخ''[2]

مولانا گوندلوی صاحب ایک مقام پر یہ سرخی قائم کر کے کہ ''تقلید قبول اسلام میں رکاوٹ ہے'' تحریر فرماتے ہیں

''اسلام کو جس قدر تقلید سے نقصان پہونچا ہے شائد ہی کسی اور چیز سے پہونچا ہو''[3]

غیر مقلدین کے ایک مقتدر عالم مولانا عبدالشکور حصاروی لکھتے ہیں

''خواص تو جانتے ہیں میں عوام کی خاطر کچھ عرض کرتا ہوں کہ مقلدین دس وجہ سے گمراہ اور فرقہء ناجیہ سے خارج ہیں جن سے مناکحت (شادی) جائز نہیں وجہ اول یہ ہے کہ موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے''[4]

مولانا محمد جونا گڑھی تحریر فرماتے ہیں

''انبیاء کی تعلیم کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا وہ مقلدین تھے، وحی الٰہی کو سب سے زیادہ دھکا دینے والی چیز تقلید ہی ہے''[5]

مزید لکھتے ہیں

''الغرض اتباع رسول کو پرے پھینکنے کا آلہ جو ہر زمانے کے مخالفِ رسول لوگ اپنے کام میں لاتے رہے یہی تقلید ہے، اگر تقلید کی

---

[1] ضرب شدید علی اہل التقلید صفحہ ۶ [2] ضرب شدید صفحہ ۱۲ [3] ایضاً صفحہ ۵۹ [4] سیاحۃ الجنان صفحہ ۵ [5] طریق محمدی صفحہ ۲۳

مذمت میں صرف یہی آیتیں ہوتیں جب بھی اس کی بدترین حرمت ثبوت کے لئے کافی تھیں کہ یہ وہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے۔''[1]

نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں

''وایجابِ تقلید ایجابِ بدعت است''[2]

''تقلید کو واجب کرنا بدعت کو واجب کرنا ہے''

نواب وحید الزماں صاحب رقمطراز ہیں

''من اهل البدعة الا حناف و الشوافع الجامدون علی التقلید التارکون لکتاب الله وسنة رسوله''[3]

اہل بدعت میں سے احناف اور شوافع ہیں جو تقلید پر اڑے ہوئے ہیں اور کتاب وسنت کو چھوڑ رکھا ہے۔

قارئین محترم! ہم نے غیر مقلدین کے علماء کی صرف چند تحریرات ذکر کی ہیں ان جیسی بلکہ ان سے بھی زیادہ کثیف عبارتیں ان حضرات کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو طوالت کے خوف سے پس انداز کی جاتی ہیں۔ ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ گذشتہ حوالجات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے اکابر علماء حتی کہ خود غیر مقلدین کے مجدد اور مجتہد نواب صدیق حسن خان صاحب حضرت امام بخاریؒ کو حضرت امام شافعیؒ کا مقلد قرار دے رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات اکابر علماء کے نزدیک تقلید ضروری ہے۔ ایسی صورت میں غیر مقلدین حضرات کا ان اکابر علماء کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا اور خود امام بخاریؒ کی کیا حیثیت ہوگی؟

بخاری کی اساس تقلید پر:

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت امام بخاریؒ نے جو بخاری شریف لکھی ہے اس کی اساس تقلید پر ہے، اس لئے کے امام بخاریؒ حدیث اپنے شیخ پر اعتماد

[1] طریق محمدی صفحہ ۲۵۔ [2] نہج المقبول صفحہ ۱۲۔ [3] ہدیۃ المہدی ج ا صفحہ ۱۲۱۔

کر کے قبول کرتے ہیں ان کا شیخ اپنے شیخ پر اعتماد کرتا ہے اور یہ شیخ اپنے شیخ پر اعتماد کرتا ہے اور یہ اعتماد والا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہونچتا ہے، کسی پر اعتماد کر کے اس کی بات کو بلا دلیل مان لینا ہی تو تقلید ہے، امام بخاریؒ نے اپنے شیخ سے حدیث سنی اور اسکی صحت پر ان سے کوئی دلیل طلب نہیں کی بلا دلیل اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مان لیا یہ تقلید نہیں تو اور کیا ہے، کوئی غیر مقلد عالم یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ امام بخاریؒ نے اپنے شیخ سے اس حدیث کے حدیث رسول ہونے پر دلیل طلب کی ہو، اسی طرح امام بخاریؒ کے شیخ نے اپنے شیخ سے دلیل طلب کی ہو تو معلوم ہوا کہ بخاری کی تمام روایات کا دارومدار تقلید پر ہے،[1]

امام بخاریؒ اور تاویل

بخاری شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ آیات متشابہات میں تاویل کے قائل ہیں چنانچہ اُنہوں نے اِسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ کے معنی اِرْتَفَعَ کے لئے ہیں اور اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے معنی عَلَا عَلَی الْعَرْشِ کے لئے ہیں ملاحظہ فرمایئے امام بخاری رحمہ اللہ بخاری شریف میں تحریر فرماتے ہیں

"باب قوله وكان عرشه على الماء وهو رب العرش العظيم وقال ابو العالية استوى الى السماء ارتفع فسوٰهن خلقهن وقال مجاهد استوى على العرش علا على العرش الخ"[2]

باب اللہ تعالیٰ کا (سورۂ ھود میں) فرمانا اس کا عرش پانی پر تھا (یعنی تخت) اور سورۂ توبہ میں فرمایا: وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔ ابو العالیہ نے استوی الی السماء یعنی آسمان کی طرف (چڑھ گیا) بلند ہوا فسوٰھن (جو سورۂ بقرہ میں ہے) اس کا معنی بتایا۔ اور مجاہد نے کہا (اسکو فریابی نے وصل کیا) استوی علی العرش یعنی عرش پر بلند ہوا"[3]

---

[1] نوٹ: یہی حال احادیث کی تمام کتابوں کا ہے پس جب محدثین کو حدیث کے بارے میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں تو ہم شما کی حیثیت ہے کہ تقلید کا انکار کریں [2] بخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۰۳ [3] ترجمہ علامہ وحید الزماں تیسیر الباری ج ۹ صفحہ ۳۲۱

لیکن غیر مقلدین حضرات آیات متشبہات میں تاویل کو ناجائز قرار دیتے ہیں چنانچہ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی تحریر فرماتے ہیں

''صفات میں کسی قسم کی تاویل بھی سلف صالحین صحابہء کرام اور تابعین عظام کے منہج اور مذہب کے خلاف ہے''[1]

چند ائمہ کرام کے اس سلسلہ کے اقوال درج کرنے کے بعد اخیر میں رقمطراز ہیں

''مذکورہ بحث سے واضح ہو گیا کہ سلف صالحین صفات کے باب میں تاویل کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی کوئی ان میں تاویل کرتا تھا اس لئے کہ اس باب میں تاویل کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے تلاعب اور استہزاء ہے کیونکہ تاویل کے جواز پر کوئی مستند دلیل موجود نہیں بلکہ تاویل کا دروازہ خیر القرون کے بعد کھولا گیا جو یقیناً تیسری صدی ہجری کے بعد کی بات ہے''[2]

ابتلاء و آزمائش

۲۵۰ھ میں حضرت امام بخاریؒ نیشاپور (ایران) تشریف لائے[3] نیشاپور اس زمانے میں علم حدیث کا مرکز تھا، امام مسلم اور اور اُن کے استاذ امام محمد بن یحییٰ ذہلی جیسے محدث اِسی کی خاک سے اُٹھے تھے اور ان کے علم و فضل نے نیشاپور کو دور دور تک مشہور کر دیا تھا، الغرض امام بخاریؒ نیشاپور پہونچ کر درس و تدریس حدیث میں لگ گئے۔ علماءِ شہر اکثر اوقات حاضر ہوا کرتے اور امام صاحب کی معلومات حدیث سے مستفیض ہوتے، خود امام مسلم کا یہ حال تھا کہ امام صاحب کی روزانہ کی مجلس کبھی ان سے خالی نہیں ہوتی تھی، ایک دن امام صاحبؒ کی جامعیت اور تبحرِ علمی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے اختیار پیشانی کا بوسہ لے لیا اور جوش میں آکر کہا کہ

دَعْنِیْ اُقَبِّلْ رِجْلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ — اے ملکِ حدیث کے بادشاہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں قدم بوسی کا شرف حاصل کروں

---

[1] عقیدہ اہل حدیث صفحہ ۱۵۴ ۔ [2] عقیدہ اہل حدیث صفحہ ۱۵۵ ۔ [3] ھدی الساری صفحہ ۴۹۰

امام محمد بن یحییٰ ذہلی اس پایہ کے شخص تھے کہ امام مسلم کے استاذ اور نیشاپور کے مُسلّم محدث تھے انھوں نے اپنے تمام شاگردوں کو حکم دے دیا تھا کہ امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا کریں خود امام صاحب کی شہرت اور فضل وکمال نے اس طرح لوگوں کو گرویدہ کرلیا کہ امام ذہلی جیسے بزرگوں کی مجلسیں بے رونق ہوگئیں۔

ایک دن امام ذہلی نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ "میں کل محمد بن اسماعیل بخاری کی ملاقات کو جاؤں گا جس شخص کا جی چاہے میرے ساتھ چلے"۔ ساتھ ہی امام ذہلی کو یہ خیال ہوا کہ امام بخاری کی بدولت میری درسگاہ میں جو بے رونقی چھا گئی ہے اس کا اثر میرے طلبہ پر بھی پڑا ہے، اس لئے میرے ساتھیوں میں سے کوئی طالب علم ایسی بات نہ پوچھ بیٹھے جس کی بدولت مجھ میں اور محمد بن اسماعیل میں رنجش ہو جائے اور غیر اقوام کو اہل سنت کے اختلاف پر ہنسی اُڑانے کو موقع ہاتھ آجائے، اس لئے اپنے ہمراہیوں کو تاکید کردی کہ امام بخاری سے اختلافی مسائل کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے۔

دوسرے دن امام ذہلی اپنی جماعت کے ساتھ امام صاحب کے یہاں پہنچے، اتفاقاً وہی صورت پیش آگئی جس کا انھیں خوف تھا، ایک شخص نے اٹھ کر امام صاحب سے سوال کیا: یا ابا عبداللہ قرآن کے جو الفاظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں، کیا وہ مخلوق ہیں اس کے اصلی الفاظ یہ تھے "لفظی بالقرآن مخلوق" امام صاحب ساکت رہے، پھر اس شخص نے دوبارہ سوال کیا، امام صاحبؒ نے مجبور ہو کر جواب دیا

"افعالنا مخلوقة، والفاظنا من افعالنا[1] ہمارے افعال مخلوق ہیں اور (جو) الفاظ (ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ ہماری زبان کی حرکت ہونے کی بناء پر) ہمارے افعال ہی ہیں، اس دقیق جواب کو عوام نہ سمجھ سکے اس لئے اس واقعہ کو اتنا بڑھایا کہ امام صاحبؒ کی ہر دلعزیزی میں فرق آگیا، مگر جو لوگ دقیقہ رس اور نکتہ سنج تھے وہ اس جواب کی تہ کو پہونچ گئے اور پہلے سے زیادہ امام صاحبؒ کی وقعت کرنے لگے، اُنہی لوگوں میں امام مسلم بھی تھے، اُن کو جب معلوم ہوا کہ امام ذہلی بھی اس جواب کی بدولت امام صاحب کے

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۹۰

مخالف ہو گئے اور انھوں نے اپنی مجلس میں منادی کرادی، کہ "جو شخص "لفظی بالقرآن مخلوق" کا قائل ہو وہ ہماری مجلس میں شریک نہ ہو تو سخت برآشفتہ ہوئے اور وہ تمام نوشتے اونٹوں پر لدوا کر واپس کردیے جن میں امام ذہلی کی تقریریں قلمبند کی تھیں [۱]

جب یہ اختلاف ایک نازک حد تک پہنچ گیا تو امام صاحب نیشاپور کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن مالوف بخاری کو روانہ ہوئے اہل بخاری کو جب اطلاع ہوئی کہ ان کا ہم وطن کمال اور شہرت کے خلعت سے آراستہ ہو کر پھر اپنے وطن مالوف کی طرف واپس آرہا ہے تو جوش مسرت میں استقبال کے لئے بڑھے شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر اُمرائے شہر نے خیر مقدم کیا اور درہم و دینار نثار کرتے ہوئے شہر میں لائے [۲] بخاری میں امام صاحب نے ایک مدت تک آرام و راحت سے زندگی بسر کی لیکن آخر میں پھر ابتلاء پیش آگیا کہ امیر بخاری خالد بن احمد جو آپکا ہم استاذ [۳] اور خود بھی محدث تھا وہ آپ کے خلاف ہو گیا۔ مخالفت کی کیا وجہ ہوئی اس کے متعدد اسباب بیان کئے جاتے ہیں علامہ ابن حجرؒ نے اس سلسلہ میں دو روایتیں ذکر کی ہیں

> (۱) امیر بخاری خالد بن احمد ذہلی نے قاصد کے ذریعہ امام بخاریؒ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ جامع الصحیح اور تاریخ کبیر میرے پاس آکر سنایئے، امام بخاریؒ نے قاصد سے کہا کہ خالد سے جاکر کہدو کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرسکتا کہ بادشاہوں کے دروازوں پر لئے پھرتا رہوں اگر اس کو ضرورت ہو تو میرے گھر یا مسجد میں آکر سن لے اور اگر یہ ناگوار ہو تو بادشاہ ہے مجھے مجلس درس قائم کرنے سے روک دے تاکہ میرے پاس قیامت کے دن اللہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے عذر ہو کہ میں نے علم نہیں چھپایا، پس یہ واقعہ دونوں کے درمیان اختلاف کا سبب بن گیا"۔ [۴]

---

[۱] ھدی الساری صفحہ ۴۹۱۔ [۲] ایضاً صفحہ ۴۹۳۔ [۳] خالد بن احمد نے اسحٰق بن راہویہ سے حدیث کی سماعت کی تھی جو امام بخاریؒ کے استاذ تھے۔ [۴] ھدی الساری صفحہ ۴۹۳

(۲) امیر بخاری خالد بن احمد نے امام بخاریؒ سے فرمائش کی کہ آپ میرے گھر آکر میرے بچوں کو تاریخ اور جامع سنا دیجئے، امام نے انکار کیا اور فرمایا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ خاص لوگوں کو حدیث سناؤں دوسروں کو سماع کی اجازت نہ ہو، اس پر خالد نے حریث بن ابی الورقاء وغیرہ کو استعمال کیا، انہوں نے امام بخاریؒ کے موقف پر اعتراضات کئے اس پر امیر بخاری خالد نے آپ کو جلاوطن کردیا[1]

علامہ ذھبیؒ امام ابوحفص صغیرؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں

''کتب الذهلی الی خالد امیر بخاری والی شیوخها بامره فهمّ خالد حتی اخرجه محمد بن احمد بن حفص الی بعض رباطات بخاری''[2]

(امام بخاریؒ کے استاذ) امام ذھلی نے امیر بخاری خالد کو اور وہاں کے شیوخ کو امام بخاریؒ کا سارا معاملہ لکھ بھیجا، اس پر خالد نے امام بخاریؒ کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کر لیا، امام ابوحفص صغیرؒ نے آپ کو بعض سرحدات بخاری کی طرف پہونچوا دیا

تنبیہ:

قارئین یہاں یہ بات سمجھتے چلیں کہ غیر مقلدین کے نامور محقق مولانا ارشاد الحق اثری صاحب نے امام بخاریؒ کو بخاری سے نکلوانے میں امام ابوحفص صغیر حنفیؒ کو بھی گھسیٹنے کی ناکام کوشش کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

''اس کارگذاری میں ابوحفص کبیرؒ کا بیٹا شیخ محمد بن احمد بھی خالد کا ہمنوا تھا''[3]

دلیل کے طور پر اثری صاحب نے علامہ ذھبیؒ کی مذکورہ بالا عبارت پیش کی ہے اثری صاحب کی اس دلیل سے امام ابوحفص صغیرؒ کا امام بخاریؒ کے نکلوانے میں خالد کا ہمنوا ہونا ثابت نہیں ہوتا، اولاً تو اس لئے کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوحفص صغیرؒ اور

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۹۳۔ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۶۱۷۔ [3] امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ صفحہ ۱۳

امام بخاریؒ کے خاندانی تعلقات تھے جو انتہائی خوشگوار تھے ، امام ابو حفص صغیرؒ کے والد اور امام بخاریؒ کے والد کے درمیان گہری دوستی تھی ۔ ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ امام ابو حفص صغیرؒ امام بخاریؒ کو اپنے شہر سے نکلوائیں ، ثانیاً علامہ ذھبیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حفص صغیرؒ ایک مدت تک طلب علم میں امام بخاریؒ کے رفیق سفر رہے ، سفری رفاقت میں تعلقات کی جو نوعیت ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ، ثالثاً امام ذھبیؒ نے امام ابو حفصؒ کے بارے میں یہ ریمارکس دیئے ہیں ''کان ثقۃ اماما و رعا زاھدا ربانیا صاحب سنۃ و اتباع ''[1] یعنی امام ابو حفص صغیر ثقہ تھے امام تھے ، نہایت پرہیز گار تھے عابد و زاہد تھے ، عالمِ ربانی تھے اور انتہائی متبع سنت تھے ، کیا عقل باور کرسکتی ہے کہ ایسا شخص جو عابد و زاہد اور خدا پرست ہو وہ امام بخاریؒ کے خلاف فتنہ انگیزی میں شریک ہوسکتا ہے ، اثری صاحب نے علامہ ذھبیؒ کی بات کا احناف کے خلاف بغض و نفرت کی وجہ سے غلط مطلب لیا ہے ، ورنہ بات سیدھی سی ہے کہ امام بخاریؒ کے استاذ محترم امام ذھلیؒ کے کہنے پر جب امیر بخارا خالد نے امام کو جلاوطن کرنا چاہا تو امام ابو حفص صغیرؒ نے حق رفاقت ادا کرتے ہوئے امام بخاریؒ کو بحفاظت تمام بخارا کی کسی سرحد پر پہونچوا دیا تاکہ آپ آرام سے تشریف لیجائیں ۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا ۔

قارئین آپ نے امام ابو حفص صغیرؒ کے بارے میں علامہ ذھبیؒ کے ریمارکس پڑھے اس سے اندازہ لگائیے کہ امام ذھبیؒ کے نزدیک ان کی شخصیت کا کیا مقام و کیا درجہ تھا ۔ اس کے برعکس غیر مقلدین کے نامور محقق صاحب نے جس انداز سے امام ابو حفص کبیرؒ اور ان کے صاحبزادہ کا تذکرہ کیا ہے اس سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کوئی معمولی درجے کے گرے پڑے لوگ تھے ۔ العیاذ باللہ یہ حال غیر مقلدین کے بڑوں کا ہے اس پر قیاس کیجئے کہ چھوٹوں کا کیا حال ہوگا ۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۶۱۸

سانحہ، وفات:

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں

''عبدالقدوس بن عبدالجبار کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ بخارٰی سے نکل کر سمرقند کے ایک گاؤں ''خرتنگ'' چلے گئے یہاں آپ کے رشتہ دار رہتے تھے، آپ اُنہی کے پاس رہ پڑے، عبدالقدوس کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے سنا کہ امام تہجد سے فارغ ہوکر یہ دعا مانگ رہے ہیں ''اَللّٰهُمَّ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ'' الٰہی زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے، بس اب تو تو مجھے اپنے پاس بلالے، ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا'' [۱]

''وراقِ بخاریؒ کا کہنا ہے کہ میں نے غالب بن جبریل سے سنا جن کے یہاں امام بخاریؒ خرتنگ میں قیام پذیر تھے وہ کہہ رہے تھے کہ امام بخاریؒ کو ہمارے یہاں ٹھہرے ہوئے چند دن ہی گزرے تھے کہ آپ بیمار ہوگئے، اسی اثنا میں اہل ثمرقند نے ایک قاصد بھیجا کہ آپ ہمارے یہاں چلے آئیں۔ امام بخاریؒ اُن کے بلانے پر جانے کے لئے تیار ہوگئے موزے پہن لئے، عمامہ باندھ لیا، سواری پر سوار ہونے کے لئے تقریباً بیس قدم چلے ہوں گے (میں ان کا بازو پکڑے ہوئے تھا) کہ فرمایا: مجھے چھوڑ دو میں بہت کمزور ہوگیا ہوں ہم نے چھوڑ دیا، آپ نے کچھ دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے اسی میں آپ کا انتقال ہوگیا وفات ہوجانے کے بعد آپ کے جسم اقدس سے بہت زیادہ پسینہ نکلا، امام بخاریؒ نے ہمیں وصیت کی تھی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا جن میں عمامہ اور قمیص نہ ہو

---

[۱] ہدی الساری صفحہ ۴۹۳

چنانچہ ہم نے ایسے ہی کیا، جب ہم نے آپ کو کفنانے اور نماز پڑھنے کے بعد قبر میں اُتارا تو قبر سے نہایت ہی بہترین خوشبو مشک جیسی اٹھی اور کئی دنوں تک اُٹھتی رہی، لوگ آپ کی قبر سے مٹی لیجانے لگے یہاں تک کہ ہمیں قبر کی حفاظت کے لئے اس پر ایک جالی دار لکڑی رکھنی پڑی''۔[1]

تاریخ وفات

علامہ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ:

''عبدالواحد بن آدم طواویسی فرماتے ہیں میں نے ایک رات خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور آپ ﷺ ایک جگہ کھڑے تھے میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ حضرت یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا: ''محمد بن اسماعیل کا انتظار ہے'' مجھے جب امام کے انتقال کی خبر ملی تو میں نے حساب لگایا وہ وہی وقت تھا جس وقت میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا، یہ واقعہ ہفتہ کی شب کا ہے یہی عید الفطر کی شب تھی اور سن ۲۵۶ھ تھا امام بخاریؒ کی کل عمر تیرہ دن کم باسٹھ برس ہوئی''۔[2]

تنبیہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام بخاریؒ کو جس سعادت سے نوازا تھا کہ آپ کی قبر مبارک سے خوشبوئیں اُٹھیں یہ سعادت ہماری معلومات کے مطابق چودہ صدیوں میں کسی غیر مقلد بزرگ کو تو نصیب نہ ہو سکی ہاں اکابر دیوبند میں سے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی تو غیر مقلدین اسے برداشت نہیں کر سکے اور اس خبر کے گپ ہونے کا شاہی فتویٰ صادر فرما دیا چنانچہ مولانا اسماعیل سلفی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۹۳ [2] ھدی الساری صفحہ ۴۹۲

''مرحوم کی قبر سے خوشبو پھیلنے کی بڑی شہرت تھی وہ بھی گپ ہی ثابت ہوئی، جب تک عرقِ گلاب اور عطر کا اثر قائم رہا جو اُن کے عقیدت مندوں نے قبر پر گرایا تھا خوشبو آتی رہی، وہ عشاق اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہوگئے تو خوشبو جاتی رہی''[1]

قارئین محترم: ۱۹۶۲ء میں جب حضرت لاہوریؒ کی قبر سے اُٹھنے والی خوشبو کی خبر مشہور ہوئی تھی تو دور دور سے لوگ مشاہدے کے لئے آئے تھے حتیٰ کہ لیبارٹری والوں نے لیبارٹری میں مٹی لے جا کر تجزیہ کیا تھا اور یہ رپوٹ دی تھی کہ یہ خوشبو دنیاوی نہیں ہے، آج بھی بہت سے لوگ حیات ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا تھا وہ اب بھی اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے خود وہ خوشبو سونگھی تھی وہ دنیاوی خوشبو نہیں تھی، خیر غیر مقلد حضرات نہیں مانتے تو نہ مانیں ہمیں بہر حال اس پر فخر ہے کہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے اکابر دیوبند کے نصیب میں لکھی ہے جو انھیں ملی اور ملتی رہے گی، حال ہی میں دنیا نے پھر دیکھ لیا کہ حضرت لاہوریؒ کے پہلو میں جب حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی شیخ التفسیر و الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی تدفین ہوئی تو اُن کی قبر سے بھی دِنوں تک خوشبو مہکتی رہی۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

آپ کی قبر کے پاس استسقاء اور استشفاء

علامہ ذھبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

''ابوعلی غسانی کہتے ہیں کہ ۴۶۴ھ کی بات ہے کہ ہمارے پاس بَلَنسِیہ میں شیخ ابو الفتح نصر بن حسن سُکتی سمرقندی تشریف لائے انہوں نے بتلایا کہ ہمارے یہاں سمرقند میں ایک سال ایسے ہوا کہ بارشیں ہونی بند ہوگئیں اور قحط پڑ گیا لوگوں نے کئی بار بارش کے لئے دعا کی مگر بارش نہ ہوئی، ایک نیک وصالح شخص جو نیکی میں معروف تھا وہ سمرقند کے قاضی کے پاس آکر

[1] فتاویٰ سلفیہ صفحہ ۲۳

کہنے لگا کہ میری ایک رائے ہے کہیں تو عرض کروں؟ قاضی نے کہا بتلاؤ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ اور آپ کے ساتھ عوام الناس حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر پر جائیں جو کہ خرتنگ میں ہے اور آپ کی قبر کے نزدیک بارش کی دعا کریں مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب فرمادیں گے، قاضی صاحب نے کہا کہ بہت اچھا خیال ہے چنانچہ قاضی صاحب اور عوام الناس امام بخاریؒ کی قبر پر گئے قاضی صاحب نے عوام کے ساتھ مل کر بارش کی دعا کی اور لوگ امام بخاریؒ کی قبر کے نزدیک خوب روئے اور صاحب قبر (امام بخاریؒ) سے استشفاع کیا (یعنی ان سے عرض کیا کہ آپ بھی ہمارے لئے اللہ کے حضور میں بارانِ رحمت کی دعا کریں) اللہ تعالیٰ نے اس دعاو گریہ وزاری اور استشفاع کے طفیل ایسی بارانِ رحمت نازل فرمائی کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو سات دن تک خرتنگ میں ٹھہرنا پڑا، بارش کی کثرت کی وجہ سے کوئی بھی سمرقند نہیں پہونچ سکتا تھا حالانکہ خرتنگ اور سمرقند کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا‘‘ [1]

تنبیہ:

اس واقعہ سے جہاں حضرت امام بخاریؒ کی کرامت بعد الموت ثابت ہورہی ہے وہیں یہ بھی ثابت ہورہا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ بزرگوں کی قبور سے برکت حاصل کرنے اور بزرگوں سے استشفاع کے قائل تھے اور عملاً کیا بھی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بزرگوں کے طفیل ان کی دعائیں قبول بھی کیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت امام بخاریؒ کی قبر سے برکت حاصل کی گئی اوران سے استشفاع کیا گیا، حضرت امام بخاریؒ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مقربین بارگاہ الٰہی کی قبور سے حصول برکت کے قائل تھے چنانچہ آگے چل کر امام بخاریؒ کی تصانیف کے ذیل میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۶۹

اور الجامع الصحیح کے ابواب حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر مرتب فرمائے تھے لیکن امام بخاریؒ کی محبت کے دعویدار غیر مقلدین حضرات اس کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجا تا بکجا است

تصانیف

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں چند ایک کے نام درج ذیل ہیں

(۱) قضایا الصحابة والتابعین : یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو آپ نے ۲۱۲ھ میں تاریخ کبیر سے پہلے لکھی ہے

(۲) التاریخ الکبیر: امام بخاریؒ نے یہ کتاب عمر مبارک کے اٹھارویں سال مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ و السلام میں روضہء اقدس کے پاس بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی تھی چنانچہ علامہ ذہبیؒ امام بخاریؒ کا قول نقل فرماتے ہیں

"و صنفت کتاب التاریخ اذ ذاك عند قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیالی المقمرة"[1] میں نے "کتاب التاریخ" اس وقت حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر چاندنی راتوں میں تصنیف کی۔

تنبیہ:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اس طرز عمل سے کہ آپ نے حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر اپنی کتاب "تاریخ کبیر" تصنیف فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ آپ قبور سے برکت کے حصول کے قائل تھے آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف کے تراجم ابواب بھی منبر شریف اور روضہء اقدس کے درمیان بیٹھ کر لکھے تھے، اس سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے کہ آپ استبراک بالقبور کے قائل تھے لیکن اس کے برخلاف موجودہ دور کے غیر مقلدین جو امام بخاریؒ کی عقیدت و محبت کے دعویدار ہیں قبور سے برکت کے حصول کے قائل نہیں ہیں بلکہ اُسے شرک سمجھتے ہیں۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۰۰

(۳)التاریخ الاوسط : یہ کتاب دوجلدوں میں سعودی عرب سے شائع ہو چکی ہے

(۴)التاریخ الصغیر:

(۵)الجامع الکبیر:

(۶)خلق افعال العباد:

(۷)المسند الکبیر:

(۸)التفسیر الکبیر:

(۹) کتاب الضعفاء الصغیر:

(۱۰)اسامی الصحابة:

(۱۱)کتاب العلل:

(۱۲)کتاب الوحدان:

(۱۳)کتاب المبسوط:

(۱۴)کتاب الاشربة:

(۱۵)کتاب الهبة:

(۱۶)کتاب الکنیٰ:

(۱۷)کتاب الفوائد:

(۱۸)بر الوالدین:

(۱۹)کتاب الرقاق:

(۲۰)الجامع الصغیر:

(۲۱)جزء القراءة خلف الامام:

(۲۲)جزء رفع الیدین:

(۲۳)الادب المفرد:

(۲۴)الجامع الصحیح المسند:

بخاری شریف کا تعارف وتذکرہ:

بخاری شریف حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی سب سے اہم کتاب ہے اسی کتاب کی بدولت آپ کو "امیرُ المؤمنینَ فی الحدیث" جیسے عظیم الشان خطاب سے نوازا گیا ہے یہ کتاب حسب تصریح حضرت امام بخاریؒ چھ لاکھ[1] احادیث کا انتخاب ہے جو سولہ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہونچا،[2] غایت احتیاط کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں

"ما وضعت فی کتابی (الصحیح) حدیثاً الا اغتسلت قبل ذالك و صلیت"[3]	میں نے کتاب الصحیح میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہیں کی جب تک کہ لکھنے سے پہلے غسل کر کے دوگانہ ادا نہیں کرلیا۔

کتاب کی تصنیف کا آغاز بیت الحرام میں ہوا۔ ابواب وتراجم مسجد نبوی میں منبر شریف اور روضہ اقدس کے درمیان لکھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام بخاریؒ کا کہنا ہے

"صنفت کتابی الجامع فی المسجد الحرام وما ادخلت فیہ حدیثا حتی استخرت اللہ تعالیٰ و صلیت رکعتین و تیقنت، صحتہ ،قلت الجمع بین ھذا و بین	میں نے اپنی کتاب جامع الصحیح مسجد حرام میں تصنیف کی اور میں نے اپنی اس کتاب میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہیں کی جب تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر کے دوگانہ ادا نہ کرلیا اور اس کی صحت کا یقین نہ ہوگیا ....

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۰۲ ۔ [2] ایضا صفحہ ۴۰۵ ۔ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۰۲

ماتقدم انه کان یصنفه فی البلاد انه ابتدأ تصنیفه و ترتیبه و ابوابه فی المسجد الحرام ثم کان یخرج الا حادیث بعد ذالک فی بلده وغیرها و یدل علیه قوله انه اقام فیه ست عشرة سنة فانه لم یجاور بمکة هذه المدة کلها و قد روی ابن عدی عن جماعة من المشائخ ان البخاری حوّلَ تراجم جامعه بین قبرا لنبی صلی الله علیه وسلم و منبره و کان یصلی لکل ترجمة رکعتین "[1]

(علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ کے اس قول اور سابقہ بات کہ آپ اسے مختلف شہروں میں لکھتے رہے ان دونوں کے درمیان یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ آپ نے الجامع الصحیح کی تصنیف، ترتیب وتبویب کی ابتداء تو مسجد حرام میں کر دی تھی، پھر احادیث کی تخریج اس کے بعد مختلف شہروں میں کرتے رہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں "میں الجامع الصحیح کی تالیف میں سولہ برس لگا رہا" ظاہر بات ہے کہ آپ اس ساری مدت تو مکہ مکرمہ میں نہیں رہے، ابن عدی نے بہت سے مشائخ سے یہ بات نقل کی ہے کہ امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح کے ابواب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کے درمیان اپنی کتاب میں منتقل کیے ہیں آپ ہر ترجمہ تحریر کرتے وقت دوگانہ ادا فرماتے تھے۔

سبب تالیف؟

علامہ ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی تصنیف کے متعدد اسباب ذکر کیے ہیں دو سبب ذیل میں درج کیے جاتے ہیں

(۱) ایک سبب تو یہ ہوا کہ حضرت امام بخاریؒ نے دیکھا کہ احادیث سے متعلق لکھی

---

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۸۹

جانے والی بہت سی کتابوں میں حسن اور صحیح حدیثوں کے ساتھ ضعیف حدیثیں بھی ہیں اس لئے خیال ہوا کہ کوئی ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں اس ارادہ کو اس سے اور تقویت ہوئی کہ ایک بار امام اسحٰق بن راہویہ نے اپنے اصحاب کی مجلس میں فرمایا:
''لو جمعتم کتاباً مختصراً لصحیح سنۃِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' اگر تم لوگ آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیثوں کے لئے کوئی مختصر کتاب لکھتے تو اچھا ہوتا۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں میرے دل میں استاذ کی یہ بات بیٹھ گئی اور میں نے ''الجامع الصحیح'' کو جمع کرنا شروع کر دیا۔[1]

(۲) دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ امام بخاریؒ نے خواب دیکھا کہ میں رسول اکرم ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں آپ کو پنکھا جھل رہا ہوں میں نے ایک تعبیر دان سے اس کی تعبیر پوچھی تو اس نے بتلایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کئے جانے والے کذب اور جھوٹ کو دور کرو گے اس واقعہ سے متاثر ہو کر میں نے ''الجامع الصحیح'' لکھنے کا ارادہ کر لیا۔[2]

کتاب کی مقبولیت:

ابو جعفر عقیلیؒ فرماتے ہیں

> ''امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف تصنیف کرنے کے بعد (اپنے اساتذہ) علی بن مدینیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور یحیٰی بن معینؒ وغیرہ کو دکھائی تو ان حضرات نے اس کی تحسین کی اور اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی، سوائے چار احادیث کے، عقیلی کہتے ہیں کہ ان چار احادیث میں بھی امام بخاریؒ ہی کا قول صحیح ہے اور وہ احادیث بھی صحیح ہی ہیں''[3]

ابو زید مروزیؒ فرماتے ہیں

> ''میں رکنِ اسود اور مقام ابراھیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب

---

[1] ہدی الساری صفحہ ۶، ۷ [2] ایضاً صفحہ ۷ [3] ایضاً صفحہ ۴۸۹

میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی فرمایا: ابو زید کب تک تم (امام) شافعی کی کتاب پڑھتے رہو گے؟ تم میری کتاب نہیں پڑھتے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا محمد بن اسماعیل کی جامع [1]

بخاری شریف کی احادیث کی تعداد:

کل حدیثیں جو بخاری شریف میں درج ہیں اُن کی مجموعی تعداد بشمول مکررات و معلقات و متابعات نو ہزار بیاسی ۹۰۸۲ ہے، یہ تعداد اگرچہ امام بخاریؒ کو جس قدر صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں اُن کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں لیکن امام موصوف کے حسنِ انتخاب کا بہترین نمونہ ہے۔

بخاری شریف کی ثلاثیات:

بخاری شریف کی سب سے اعلیٰ اور اونچی روایات وہ ہیں جن میں حضور علیہ السلام اور امام بخاریؒ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں (۱) تبع تابعی (۲) تابعی (۳) صحابی، ایسی روایات کو ثلاثیات کہا جاتا ہے، بخاری شریف میں کل ثلاثیات بائیس ہیں جن میں سے گیارہ روایات مکی بن ابراھیم سے، چھ امام ابو عاصم النبیل سے تین محمد بن عبداللہ الانصاری سے ایک خلاد بن یحییٰ الکوفی سے اور ایک عصام بن خالد الحمصی سے مروی ہیں۔

ان بزرگوں میں سے مکی بن ابراھیم بلخی (م۲۱۵ھ) امام ابو عاصم النبیل کوفی (م:۲۱۲ھ) دونوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ارشد تلامذہ اور شرکاء تدوین فقہ حنفی میں سے ہیں دونوں کا امام بخاریؒ کے کبار مشائخ میں شمار ہوتا ہے، تیسرے بزرگ محمد بن عبداللہ الانصاری البصریؒ بھی حضرت امام اعظمؒ کے تلامذہ میں سے ہیں اس لحاظ سے گویا بخاری شریف کی بیس ثلاثیات کے راوی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور حنفی ہوئے۔

---

[1] ھدی الساری صفحہ ۴۸۹

امام بخاریؒ کے بعض مشائخ:

یہ بات پیچھے ذکر کی جاچکی ہے کہ امام بخاریؒ کے وہ اساتذہ جن سے آپ نے بخاری شریف میں براہِ راست روایت لی ہے تقریباً تین سودس ہیں جن میں سے پونے دوسو کے قریب عراقی ہیں پھر عراقین میں سے تقریباً پینتالیس کوفی ہیں اور پچاسی بصری ہیں باقی دیگر شہروں کے ہیں، اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے بہت سے نامور اساتذہ ایسے بھی ہیں جو یا تو براہِ راست امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں یا آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں چند ایک نام بطور برکت ملاحظہ فرماتے چلیں۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۲) سعید بن ربیع ابوزید الهروی ؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۳) ضحاک بن مخلد ابوعاصم النبیل ؒ تلمیذ امام ابوحنیفہؒ
(۴) عباس بن ولید تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۵) عبداللہ بن یزید العدوی البصری المکی ابوعبدالرحمٰن المقریؒ تلمیذ امام ابوحنیفہؒ
(۶) عبیداللہ بن موسیٰ الکوفیؒ تلمیذ امام ابوحنیفہؒ
(۷) علی بن جعد الجوهریؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۸) علی بن حجر المروزیؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۹) علی بن المدینیؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۱۰) فضل بن عمرو (دُکَین) ابونُعیم الکوفی تلمیذ امام ابوحنیفہؒ
(۱۱) محمد بن صباح الدولابی البغدادی تلمیذ قاضی ابویوسفؒ
(۱۲) محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ الانصاری البصریؒ تلمیذ امام ابوحنیفہؒ
(۱۳) محمد بن عمرو بن جبلۃ العتکی البصری تلمیذ امام محمدؒ
(۱۴) محمد بن مقاتل ابوالحسن المروزی تلمیذ امام محمدؒ

(۱۵) مکی بن ابرھیم البلخیؒ تلمیذ امام ابوحنیفہ

(۱۶) ھشام بن عبدالملک باھلی ابوالولید الطیالیسی البصریؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ

(۱۷) ہشیم بن خارجہ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ

(۱۸) یحیٰی بن صالح الوحاظی ابوزکریا الشامیؒ تلمیذ امام محمدؒ

(۱۹) یحیٰی بن معینؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ وامام محمدؒ

(۲۰) یحیٰی بن یحیٰی بن بکیر بن عبدالرحمٰن النیسابوریؒ تلمیذ قاضی ابویوسفؒ

یہ امام ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف اور امام محمد رحمھم اللہ کے وہ تلامذہ ہیں جن سے امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں براہِ راست روایات لی ہیں اِن کے علاوہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بیسیوں شاگرد ایسے ہیں جن سے امام بخاریؒ نے بالواسطہ روایات لی ہیں بخوف طوالت اُن کا تذکرہ پس انداز کیا جاتا ہے۔

رُواۃِ بخاری:

امام بخاریؒ سے بخاری شریف کو اگرچہ نوّے ۹۰ ہزار افراد نے سنا تھا لیکن امام موصوف کے جن تلامذہ سے صحیح بخاری کی روایت کا سلسلہ چلا وہ چار ہیں (۱) ابراھیم بن معقل بن حجاج النسفی (م: ۲۹۴) (۲) حماد بن شاکر النسفی (م: ۳۱۱) (۳) محمد بن یوسف الفربری (م: ۳۲۰) (۴) ابوطلحہ منصور بن محمد البزدوی (م: ۳۲۹) ان چار میں سے پہلے دونوں بزرگ ابراھیم اور حماد مشہور حنفی عالم ہیں۔ابراھیم بن معقل ان سب میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حافظ الحدیث بھی تھے،علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے شروع میں اپنا سلسلہء سند ان چاروں حضرات تک بیان کیا ہے،ان چاروں حضرات میں ابراھیم اور حماد کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ اِن کو امام بخاریؒ سے جامع کی روایت کا سب سے پہلے موقع ملا ہے کیونکہ ابراھیم اور حماد کی وفات بالترتیب ۲۹۴ اور ۳۱۱ میں ہوئی ہے جبکہ فربری اور ابوطلحہ کی وفات بالترتیب ۳۲۰ اور ۳۲۹ میں ہوئی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ دونوں حنفی بزرگ امام بخاریؒ کی کتاب کو اُن سے روایت نہ کرتے تو جامع کی روایت کی

ضمانت تنِ تنہا فربری پر رہ جاتی اور اس طرح روایتی نقطہ نظر سے صورت حال نازک ہو جاتی، علامہ کوثریؒ مرحوم اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"هذا البخاری لولا ابراهیم بن معقل النسفی و حماد بن شاکر الحنفیان لکاد ینفرد الفربری عنه فی جمیع الصحیح سماعاً"[1]	یہ حضرت امام بخاریؒ ہیں کہ اگر ابراہیم بن معقل حنفی اور حماد بن شاکر حنفی نہ ہوتے تو فربری اُن سے ساری کی ساری جامع الصحیح کے سماع میں منفرد رہ جاتے۔

بالفاظ دیگر ۳۱۱ھ تک امام بخاریؒ کی جامع الصحیح کا روایتی مرکز صرف احناف تھے۔

قارئین محترم:

ہم بخاری شریف کے متعلق اپنی مختصر تفصیلات پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف لکھنے میں جس قدر اہتمام سے کام لیا تھا اسی قدر اللہ تعالیٰ نے اُسے مقبولیت عطا فرمائی ہر زمانہ میں ہر مسلک و مشرب کے علماء اس کی درس و تدریس اور تفصیل و تشریح میں مشغول رہے تا ھنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔

غیر مقلدین کا بخاری و امام بخاریؒ کے ساتھ سلوک:

اس موقع پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قارئین کی توجہ غیر مقلدین کے علماء کے اُن بیانات کی طرف بھی کراتے چلیں جن میں امام بخاریؒ سے عقیدت و محبت کے علی الرغم بخاری شریف اور امام بخاریؒ پر رکیک حملے کیے گئے ہیں

بخاری شریف آگ میں (العیاذ باللہ)

مشہور صحافی اختر کاشمیری اپنے سفرنامہ ایران میں لکھتے ہیں:

""اس سیشن کے آخری مقرر گوجرانوالہ کے اہل حدیث عالم مولانا بشیر الرحمٰن مستحسن تھے، مولانا مستحسن بڑی مستحب قسم کی چیز ہیں علم محیط

---

[1] التعلیق علی شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی صفحہ ۸۱ طبع فی ابتداء ابن ماجہ، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

(اپنے موضوع پر، ناقل) جسمِ بسیط کے مالک، ان کا اندازِ تکلم جدت آلود اور گفتگو رف ہوتی ہے فرمانے لگے۔

''اب تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ قابلِ قدر ضرور ہے قابلِ عمل نہیں، اختلاف ختم کرنا ضروری ہے مگر اختلاف ختم کرنے کیلئے اسبابِ اختلاف کو مٹانا ہوگا، فریقین کی جو کتب قابلِ اعتراض ہیں ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کر رہی ہے کیوں نہ ہم ان اسباب کو ہی ختم کر دیں؟ اگر آپ صدق دل سے اتحاد چاہتے ہیں تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں، آپ اصولِ کافی کو نذرِ آتش کریں آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ (محمدی۔ ناقل) صاف کرینگے''[1]

علامہ وحید الزماں صاحب کی امام بخاریؒ پر تنقید

صحاح ستہ کے مترجم علامہ وحید الزماں صاحب امام بخاریؒ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں، اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے.... اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں''[2]

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

''اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق

---

[1] آتش کدہ ایران صفحہ ۱۰۹ [2] لغات الحدیث ج ۱ کتاب ج صفحہ ۶

سے روایت نہیں کی اور مروان وغیرہ سے روایت کی جو اعدائے اہل بیت علیہم السلام تھے''۔[1]

نواب وحید الزماں صاحب کی بخاری شریف کے ایک راوی پر سخت تنقید

نواب صاحب بخاری شریف کے ایک راوی مروان بن الحکم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کو جو کچھ نقصان پہنچا وہ اسی کمبخت شریر النفس مروان کی بدولت خدا اس سے سمجھے''۔[2]

بخاری شریف حکیم فیض عالم کی نظر میں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے واقعہ افک سے متعلق جو احادیث بخاری شریف میں ذکر کی ہیں اُن کی تردید کرتے ہوئے حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:

''ان محدثین، ان شارحین حدیث، ان سیرت نویس اور ان مفسرین کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اتنی بات کا تجزیہ یا تحقیق کرنے سے بھی عاری تھے کہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے، لیکن اس دینی و تحقیقی جرأت کے فقدان نے ہزاروں ایسے پیدا کیے اور پیدا ہوتے رہیں گے' ہمارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرما دیا وہ صحیح اور لاریب ہے خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت' انبیاء کرام کی عصمت، ازواج مطہرات کی طہارت کی فضائے بسیط میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں، کیا یہ امام بخاری کی اسی طرح تقلید جامد نہیں جس طرح مقلدین ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں''۔[3]

---

۱ لغات الحدیث ج ۲ کتاب ح صفحہ ۳۹ ۲ لغات الحدیث ج ۲ کتاب س صفحہ ۲۱۳۔ ۳ صدیقہ کائنات صفحہ ۱۰۶

حکیم فیض عالم کے نزدیک امام بخاریؒ
واقعہ افک کی روایت میں مرفوع القلم ہیں

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:

''دراصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں، داستان گو کی چابک دستی کے سامنے امام بخاریؒ کی احادیث کے متعلق تمام چھان بین دھری کی دھری رہ گئی،''[1]

غیر مقلدین ذرا سوچ کر جواب دیں کہ جب امام بخاری کی اس عظیم واقعہ کے متعلق احادیث کی چھان بین دھری کی دھری رہ گئی تو دیگر احادیث کے متعلق ان کی چھان بین کا اعتبار کیونکر ہوگا؟

بخاری شریف میں موضوع روایت

حکیم فیض عالم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اب ایک طرف بخاری کی نو سال والی روایت ہے اور دوسری طرف اتنے قوی شواہد وحقائق ہیں اس سے صاف نظر آتا ہے کہ نو سال والی روایت ایک موضوع قول ہے جسے ہم منسوب الی الصحابۃ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔''[2]

بخاری شریف کے ایک مرکزی راوی پر
حکیم فیض عالم کی جرح وتنقید

حکیم فیض عالم بخاری شریف کے ایک مرکزی راوی جلیل القدر تابعی اور حدیث کے مدونِ اوّل امام ابن شہاب زہریؒ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابن شہاب منافقین وکذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی

---

[1] صدیقہ کائنات صفحہ ۱۰۶۔ [2] صدیقہ کائنات صفحہ ۸۰

مستقل ایجنٹ تھے اکثر گمراہ کن خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں''۔[1]

مزید لکھتے ہیں:

''ابن شہاب کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے بھی بلا واسطہ روایت کرتا تھا جو اس کی ولادت سے پہلے مر چکے تھے، مشہور شیعہ مؤلف شیخ عباس قمی کہتا ہے کہ ابن شہاب پہلے سنی تھا پھر شیعہ ہو گیا (تتمۃ المنتہیٰ ص ۱۲۸) عین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی ابن شہاب کو شیعہ ہی کہا گیا ہے''[2]

قارئین کرام! علامہ وحید الزماں صاحب اور حکیم فیض عالم کی امام بخاریؒ اور ابن شہاب زہریؒ پر اس شدید جرح کے بعد غیر مقلدین کو بخاری شریف پر سے اعتماد اٹھا لینا چاہئے اور بخاری شریف کی اُن سینکڑوں احادیث سے ہاتھ دھو لینا چاہئے جن کی سند میں ابن شہابؒ موجود ہیں بالخصوص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رفع یدین والی حدیث اور حضرت عبادہؓ کی قرأت فاتحہ والی حدیث سے تو بالکل دستبردار ہو جانا چاہئے کیونکہ ان احادیث کی سند میں یہی ابن شہابؒ موجود ہیں، دیکھئے غیر مقلدین کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟۔

بخاری شریف کی طرف احادیث کا غلط انتساب:

غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کے معاملہ میں اس قدر غیر محتاط واقع ہوئے ہیں کہ بے دھڑک احادیث مبارکہ بخاری کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ احادیث یا تو سرے سے بخاری میں نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ کے ساتھ نہیں ہوتیں، دو چار حوالے اس سلسلہ کے نذر قارئین کئے جاتے ہیں

(۱) غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب نے اپنی کتاب رسول اکرم کی نماز ص ۴۸ میں ایک حدیث درج کی ہے

''عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صدیقہ کائنات صفحہ ۱۰۷ [2] صدیقہ کائنات صفحہ ۱۰۸

افتتح التکبیر فی الصلوۃ فرفع یدیہ حین یکبر حتی یجعلھما حذو منکبیہ و اذا کبر للرکوع فعل مثلہ و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فعل مثلہ و اذا قال ربنا ولک الحمد فعل مثلہ ولا یفعل ذالک حین یسجد ولا حین یرفع رأسہ من السجود "(سنن کبری ج ۲ ص ۶۸، ابو داود ج ۱ ص ۱۶۳ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ الخ)"

ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری شریف میں نہیں ہے، شاید غیر مقلدین کہیں کہ الفاظ کے ساتھ نہ سہی معناً سہی تو ان کی یہ بات بھی غلط ہے یہ معناً بھی بخاری میں نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث سے چار جگہ رفع یدین ثابت ہو رہا ہے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع میں جاتے وقت (۳) سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت (۴) اور ربنا لک الحمد کہتے وقت جبکہ بخاری میں صرف تین جگہ رفع یدین کا ذکر ہے

(۲) غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مفتی ابو البرکات احمد صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

"صحیح بخاری میں آنحضرت کی حدیث ہے کہ تین رکعت کے ساتھ وتر نہ پڑھو، مغرب کے ساتھ مشابہت ہوگی"[1]

یہ حدیث بخاری تو دور رہی پوری صحاح ستہ میں نہیں، من ادعیٰ فعلیہ البیان

(۳) حکیم صادق سیالکوٹی صاحب تحریر فرماتے ہیں

"حالانکہ حضور نے یہ بھی صاف صاف فرمایا ہے: افضل الاعمال الصلوٰۃ فی اول وقتھا (بخاری) افضل عمل نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے"[2]

ان الفاظ اور معنی کے ساتھ یہ حدیث پوری بخاری میں کہیں نہیں ہے

(۴) حکیم صادق صاحب نے ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ درج کی ہے

---

[1] فتاوی برکاتیہ صفحہ ۴۲ [2] سبیل الرسول صفحہ ۲۲۶

"عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة (صحیح بخاری) رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور حضرت ابو بکرؓ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دو برس میں (بیکبارگی) تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں"[1]

ان الفاظ و معنیٰ کے ساتھ اس حدیث کا پوری بخاری شریف میں کہیں نام ونشان نہیں ہے

(۵) حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے "صلوٰۃ الرسول" ص ۲۱۸ میں "رکوع کی دعائیں" کے تحت چوتھی دعا یہ درج کی ہے

"سبحان ذی الجبروت و الملکوت والکبریاء و العظمة"

اور حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے حالانکہ یہ حدیث نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں۔

(۶) حکیم صاحب نے صلوٰۃ الرسول ص ۱۵۳ پر "اذان کے جفت کلمات" کا عنوان دے کر اذان کے کلمات ذکر کیے ہیں اور حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے حالانکہ اذان کے یہ کلمات نہ بخاری میں ہیں نہ مسلم میں۔

(۷) حکیم صاحب نے صلوٰۃ الرسول ص ۱۵۴ پر "تکبیر کے طاق کلمات" کے عنوان کے تحت تکبیر کے الفاظ درج کیے ہیں اور حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے حالانکہ تکبیر کے یہ الفاظ نہ بخاری میں ہیں نہ مسلم میں۔

(۸) حکیم صاحب صلوٰۃ الرسول ص ۱۵۶ پر "اذان کا طریقہ اور مسائل" کی جلی سرخی قائم کر کے اس کے ذیل میں لکھتے ہیں

"حیی علی الصلوہ کہتے وقت دائیں طرف مڑیں اور حیی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف مڑیں وَلَا یَسْتَدِرِ اور گھومیں نہیں یعنی دائیں اور بائیں طرف گردن موڑیں

---

[1] تجلی الرسول صفحہ ۲۶۸

گھوم نہیں جانا چاہئے (بخاری ومسلم)''

حکیم صاحب نے اس مسئلہ کے لئے بخاری ومسلم کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں۔

(۹) مولانا حافظ محمد گوندلوی صاحب ابوداؤد شریف سے حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں

''یہ حدیث چار اختلافی مسائل پر مشتمل ہے (۱) مواضع ثلثہ میں رفع یدین (۲) اطمینان یعنی تعدیلِ ارکان (۳) جلسہ استراحت (۴) تورک فی التشہد الاخیر، شوافع ان کے قائل ہیں حنفیہ منکر ہیں لہٰذا حنفیہ نے اس حدیث کو ضعیف بنانے کی بہت کوشش کی ہے حالانکہ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے امام بخاریؒ اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں'' (التحقیق الراسخ صفحہ ۶۹)

یہ بالکل غلط ہے یہ حدیث بخاری میں کہیں بھی نہیں ہے بخاری میں جو حدیث ہے اس میں مواضع ثلثہ میں رفع یدین کا دور دور بھی کہیں ذکر نہیں ہے اسی لیے غیر مقلدین اس حدیث کے لیے بخاری کا کبھی حوالہ نہیں دیتے۔

بخاری شریف کے غلط حوالے

قارئین کرام: غیر مقلدین حضرات جب کوئی عمل اختیار کرتے ہیں تو چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اسے ثابت کرنے کے لئے غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کرتے، بلا جھجک بخاری کے غلط حوالے دیدیتے ہیں حالانکہ بخاری میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا دو چار حوالے اس سلسلہ کے بھی نذر قارئین کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں

(۱) مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری ومسلم

اوران کی شروح میں بکثرت ہیں۔[1]

مولانا کی یہ بات بالکل غلط ہے بخاری و مسلم میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات تو درکنار ایک روایت بھی موجود نہیں

(۲) فتاوی علماء حدیث میں ایک سوال کے جواب میں تحریر ہے

''جواب صریح حدیث سے صراحتاً ہاتھ اٹھا کر یا باندھ کر قنوت پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا، دعا ہونے کی حیثیت سے ہاتھ اُٹھا کر پڑھنا اولیٰ ہے، رکوع کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے، بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے الخ''[2]

غیر مقلد مفتی صاحب کا یہ جواب بالکل غلط ہے، بخاری شریف پڑھ جایئے، پوری بخاری میں قنوت وتر رکوع کے بعد پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں ملے گا، بلکہ اس کا اُلٹ یعنی رکوع میں جانے سے پہلے قنوت پڑھنے کا ذکر متعدد مقامات پر ملے گا۔

(۳) مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی ایک خطبہ میں فرماتے ہیں

''اگر سر پہ پگڑی یا ٹوپی ہے تو اس کے اوپر مسح ہوسکتا ہے موزوں اور جرابوں پر بھی مسح ہوسکتا ہے امام بخاری نے بخاری شریف میں باب باندھا ہے''المسح علی الجوربین ''جرابوں پر مسح کرنا''[3]

یزدانی صاحب کی یہ بات نہایت غلط ہے پوری بخاری شریف پڑھ جایئے کہیں آپ کو باب المسح علی الجوربین نہیں ملے گا۔ مولوی صاحب نے بخاری شریف میں خودساختہ باب کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ بخاری شریف میں یہ باب نہیں ہے۔

قارئین محترم: اختصار کے پیش نظر اس موضوع کو ہم یہیں ختم کرتے ہوئے اب بخاری شریف کی وہ احادیث اور امام بخاریؒ کے وہ اجتہادات پیش کرتے ہیں جن پر عمل کے بجائے غیر مقلدین حضرات اُن کے خلاف عمل کرتے ہیں ۔

---

[1] فتاوی ثنائیہ ج ۱ صفحہ ۴۴۳ [2] فتاوی علماء حدیث ج ۴ صفحہ ۲۰۶ [3] خطبات شہید اسلام ج ۱ صفحہ ۱۳۳

امام بخاریؒ
کے
اجتہادات

اور آپ کی ذکر کردہ احادیث
جن پر غیر مقلدین کا عمل نہیں

(۱) فقہ اور فقہاء کی عظمت:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۱۶ پر ایک باب قائم فرمایا ہے "باب مَنْ یُرِدِاللهُ بِه خَیْرًا یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ" اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اُسے فقاہت فی الدین عطا فرمادیتے ہیں، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے درج ذیل حدیث ذکر کی ہے

"قال حمید بن عبدالرحمن سمعت معاویة خطیباً یقول سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: مَنْ یُّرِدِاللّٰهُ بِه خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَاقَاسِم" وَاللّٰهُ یُعْطِیْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰی اَمْرِاللّٰهِ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُاللّٰهِ"

حُمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے حضرت معاویہؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو سنا آپ فرمارہے تھے: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اُسے دین میں فقاہت عطا فرمادیتے ہیں اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اور میں تقسیم کرتا ہوں، اور یہ امت ہمیشہ دین پر قائم رہے گی اور اس کو کسی کی مخالفت کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گی تاوقتیکہ اللہ کا حکم (قیامت) نہ آجائے۔

اس حدیث مبارک سے فقہاء کی عظمت کا اظہار ہورہا ہے اس لئے کہ فقاہت فی الدین فقہاء ہی کو حاصل ہوتی ہے اور چونکہ فقیہ وہی کہلاتا ہے جسے فقہ حاصل ہو اس لئے اس حدیث سے فقہ کی عظمت وفضیلت بھی معلوم ہوئی۔

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۴۷۹ پر حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے

"اَلنَّاسُ مَعَادِنُ خِیَارُهُمْ فِی

لوگ کانیں ہیں جو لوگ دورِ جاہلیت میں بہتر

الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوْا" — تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ وہ فقاہت حاصل کریں

امام نوویؒ شرح مسلم میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں

"و فقهوا بضم القاف على المشهور وحكى كسرها اى صاروا فقهاء عالمين بالاحكام الشرعية الفقهية"[1] — لفظ فقھوا میں مشہور روایت کی بناء پر قاف پر پیش ہے، البتہ زیر بھی نقل کی گئی ہے مراد یہ ہے کہ وہ دور اسلام میں بھی بہتر ہوں گے بشرطیکہ فقیہ بن جائیں اور احکام شرعیہ فقہیہ کے عالم بن جائیں۔

بخاری شریف کی اس روایت سے بھی واضح طور پر فقہ اور فقہاء کی عظمت و فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔

امام بخاریؒ نے بخاری شریف صفحہ ۲۶ پر یہ حدیث ذکر کی ہے

"عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل الخلاء فوضعت لہ وضوءً ا قال من وضع ھذا فاخبر فقال اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے گئے تو میں نے (وضو کے لئے) پانی لاکر رکھ دیا آپ نے دیکھا تو فرمایا: یہ کس نے لاکر رکھا ہے آپ کو بتلایا گیا (کہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے) آپ نے انھیں دعا دی کہ الٰہی ابن عباسؓ کو فقاہت فی الدین عطا فرما۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نظر مبارک میں فقاہت فی الدین کی بے انتہا اہمیت تھی اسی لئے آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو اس کی دعا دی تھی۔ بخاری شریف کی اس روایت سے بھی فقہ اور فقہاء کی عظمت و فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔

---

[1] نووی شرح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۶۸

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۶ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے

"کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ حُکَمَاءَ عُلَمَاءَ فُقَهَاءَ" .... تم لوگ ربانی بن جاؤ یعنی دانشور، عالم اور فقیہ بن جاؤ۔

حضرت امام بخاریؒ بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۷ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں

تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا" .... تم لوگ سیادت (سردار بنائے جانے) سے پہلے فقاہت حاصل کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اِن فرامین سے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ فقہ اور فقہاء کی فضیلت وعظمت عیاں ہو رہی ہے۔

آپ امام بخاریؒ کی سوانح میں پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ آپ نے تعلیم کی ابتداء میں حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کی طرف بھی توجہ فرمائی تھی اور امام وکیعؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کی کتابیں جو مسائل فقہیہ پر مشتمل تھیں ازبر کرلیں تھیں اور بخارا ہی میں "جامع سفیان" کا سماع بھی کیا تھا جامع سفیان بھی فقہ ہی کی کتاب تھی۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں حضرت امام بخاریؒ کا کہنا ہے

"ماجلست للحدیث حتی عرفت الصحیح من السقیم و حتی نظرت فی عامة کتب الرأی وحتی دخلت البصرة خمس مراة او نحوها فما ترکت بها حدیثا صحیحًا الا کتبته الاما لم یظهرلی"[1] .... میں نے درسِ حدیث کی مجلس اس وقت تک قائم نہیں کی جب تک کہ میں نے حدیث صحیح کو سقیم سے شناخت نہیں کرلیا اور جب تک کہ میں نے عام کتب فقہ پر نظر نہیں ڈال لی اور جب تک کہ میں چار یا پانچ مرتبہ بصرہ نہیں چلا گیا اور میں نے وہاں کی تمام صحیح حدیثیں نہیں لکھ لیں سوائے اُن کے جو مجھے ظاہر نہیں ہو سکیں۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ صفحہ ۴۰۶

امام بخاریؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہو رہا ہے کہ درسِ حدیث کی مجلس کے قیام کے لئے جہاں فن حدیث کا حصول ضروری ہے جس سے صحیح وسقیم احادیث کا پتہ چل سکے وہیں علم فقہ کی تحصیل بھی ضروری ہے تا کہ احادیث سے مسائل کا استنباط کیا جا سکے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ کے پاس قاضی ولید بن ابراھیم اپنے لڑکپن میں طلبِ حدیث کے سلسلہ میں گئے تو آپ نے انھیں محدث کامل بننے کے لئے جن جن شرائط کی ضرورت پڑتی ہیں وہ بتائیں، ولید بن ابراھیم وہ شرائط سن کر پریشان سے ہوئے تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اُن سے فرمایا:

"فان لا تطق احتمال هذه المشاق كلها فعليك بالفقه الذي يمكنك تعلّمه و انت في بيتك قار" ساكن" لا تحتاج الى بعد الاسفار ووطى الديار ،وركوب البحار ،وهو مع ذا ثمرة الحديث وليس ثواب الفقيه بدون ثواب المحدث في الآخرة وعزه باقل من عز المحدث"[1]

اگر تم میں ان تمام مشقتوں کو جھیلنے کی ہمت نہیں ہے تو تم وہ فقہ لازم پکڑ لو جس کا سیکھنا تمہارے لئے اُس صورت میں بھی ممکن ہے جبکہ تم گھر میں ٹھہرے رہو اور تمیں سفروں کی دوری، شہروں کے قطع کرنے اور سمندروں میں سواری کی ضرورت بھی نہ پڑے اور فقہ سہل الحصول ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث کے ثواب سے کم بھی نہیں ہے اسی طرح فقیہ کی عزت بھی محدث کی عزت سے کم نہیں ہے۔

غور فرمایئے حضرت امام بخاریؒ کے پاس ایک شخص طلب حدیث کے لئے آتا ہے آپ اسے محدث کامل بننے کی شرائط بتلاتے ہیں اور اُن کو پورا نہ کر سکنے کی شکل میں علمِ فقہ کی تحصیل کا مشورہ دیتے ہیں اور اُن کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ علمِ فقہ اگر سہل الحصول ہے تو یہ نہ سمجھو کہ یہ کوئی معمولی علم ہے بلکہ یہ علم تو حدیث ہی کا ثمرہ ہے یعنی حدیث پڑھی پڑھائی ہی

---

[1] تہذیب الکمال ج ۲۴ صفحہ ۴۶۴

اس لئے جاتی ہے کہ احکام شرعیہ کا علم ہو اور احکام شرعیہ کے جاننے کا نام فقہ ہے، آگے مزید یہ بشارت سناتے ہیں کہ دیکھو آخرت میں فقیہ کا ثواب کسی درجہ بھی محدث سے کم نہیں ہو گا اور نہ فقیہ کی عزت محدث کی عزت سے کم ہوگی۔

امام بخاریؒ کے اس انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ اُن کے نزدیک فقہ اور فقہاء کی بڑی اہمیت ہے اسی لئے آپ نے فقہ کی تحصیل کا مشورہ دیا، اگر فقہ اور فقہاء کی آپ کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہ ہوتی تو آپ کبھی بھی اس کی تحصیل کا مشورہ نہ دیتے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف میں فقہ اور حدیث دونوں کو جمع فرمایا ہے چنانچہ آپ ترجمۃ الباب میں پہلے فقہی مسئلہ ذکر کرتے ہیں پھر اس کی تائید میں قرآن وحدیث سے دلیل پیش فرماتے ہیں اور جا بجا فقہاءِ کرام کے اقوال و آراء سے استشہاد کرتے ہیں۔لیکن بخاری شریف کی ان احادیث و آثار اور حضرت امام بخاریؒ کے اس نظریہ اور عمل کے خلاف غیر مقلدین حضرات فقہ اور فقہاء کے اس قدر خلاف ہیں کہ الامان والحفیظ، بالخصوص فقہ حنفی سے جو اِن حضرات کو بیر ہے وہ بیان سے باہر ہے آئے دن کوئی نہ کوئی پمفلٹ رسالہ یا کتاب فقہ حنفی کے خلاف لکھتے رہتے ہیں، بعض غیر مقلدین تو فقہ حنفی کے خلاف نہایت ہی سوقیانہ اور غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں جن کو پڑھ کر بھی گھن آتی ہے، فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی چند عبارات بطور مشتے نمونہ از خروارے نذر قارئین کی جاتی ہے۔

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:۔

”میں مکرر اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج فقہ حنفیہ کے نام سے جو اَسفار لہو الحدیث (دل بہلانے والی باتوں، ناقل) کا مجموعہ دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ایک حصے کو گمراہ کرنے کا موجب بن رہا ہے اس کا ایک لفظ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تعلق نہیں رکھتا[1]“

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

”مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج فقہ حنفی کی آڑ میں جو مجموعہ اَسفار لہو الحدیث ہمارے ہاں مروج اور شائع ہے اس میں ایک حرف

---

[1] اختلاف امت کا المیہ صفحہ ۱۲

بھی سیدنا امام ابو حنیفہؒ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ آج تک کوئی
ثابت کرنے کی جرأت کر سکا ہے، اس مقام پر بے اختیار سبائیت کی
اس ڈاکہ زنی اور رفض کی اس نقب زنی کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔"[1]

حکیم صاحب کی طرح ان کی جماعت کے اور بہت سے حضرات بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کی تردید کے لئے حضرت امام صاحب کی مسانید اور کتاب الآثار، نیز آپ کے تلامذہ حضرت امام محمد و قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کی کتب کا مطالعہ کافی ہے، یہ سب کتب بحمد اللہ شائع ہو چکی ہیں ان کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ فقہ حنفی کے مسائل اُن کتب میں بروایت امام ابو حنیفہؒ پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

جماعت غرباء اہلحدیث کے سابق امام مولانا عبدالستار صاحب اپنے والد مولانا عبدالوہاب صاحب کی اسلامی خدمات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اپنے زمانہ کے بخاری نے اپنے استاد شیخ الہند میاں صاحب مرحوم سے تحصیل علم کے بعد ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ دار الکتاب والسنۃ کی بنیاد شہر دہلی میں قائم کر کے خالص درس قرآن وحدیث شروع کیا اور دیگر علوم آلیہ وعقلیہ، منطق وفلسفہ، فقہ مروجہ وغیرہ کے ڈھول کا پول کھولنا شروع کیا اور قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے ان پر عمل عقیدہ رکھنا رکھانا سخت جرم بتایا اور بیان فرمایا کہ کتب فقہ مروجہ شریعت اسلام کے بالکل منافی ہیں، کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے ان پر عمل کرنا محض گمراہی اور حرام ہے بھلا اکل حلال کے ہوتے ہوئے خنزیر کھانا کب روا ہے"۔[2]

مزید لکھتے ہیں:۔

"شرک وبدعت کی وہ چھاڑ کرتے ہیں اور شخصی تقلید ناسدید کا وہ کھوج کھوتے ہیں اور فقہ کے خراب اور گندہ مسائل جو قرآن

---

[1] اختلاف امت کا المیہ صفحہ ۳۶۲۔ [2] خطبہ امارت صفحہ ۱۳ شمولہ رسائل اہلحدیث ج دوم

وحدیث کے سراسر خلاف ہیں وہ مٹی خراب کرتے ہیں کہ بایدوشاید[1]،،

غیر مقلدین کے مشہور مناظر مولوی طالب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

''فقہ حنفی (جسے آپ کے علماء اس ملک میں بطور قانون نافذ کرنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف ہیں) اتنے گندے مسائل سے بھری پڑی ہے کہ قلم کی نوک اور ہماری زبان اس بات کی متحمل نہیں کہ انہیں ضبط تحریر یا نوک زبان پر لایا جاسکے کیونکہ یہ تو وہ فقہ ہے کہ جب یہ مصطفے کمال پاشا کے ملک میں رائج تھی تو اس کی گمراہی کا سبب بنی اور اسی کے مسائل سن سن کر اسے اسلام سے نفرت ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی کی ایم۔اے اسلامیات کی طالبات نے اس فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ کے متعلق کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے کہ اگر یہ اسلام ہے تو ہمیں سوشلزم منظور ہے،،[2]

غیر مقلدین کے ایک اور مناظر مولوی ابوالکلیم اشرف سلیم صاحب نے فقہ حنفی کے خلاف اپنی ایک کتاب کے ٹائٹل پر یہ عبارت درج کی ہے ''کتاب ہذا میں محمد رسول اللہ کی احادیث مبارکہ اور فقہ حنفیہ کوفیہ کے بے بنیاد عقائد اور شرمناک مسائل کا علمی تحقیقی موازنہ کیا گیا ہے''

مولوی صاحب اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس کے آخری حصے میں خالص فقہ حنفیہ کے یک صد گمراہ کن، شرمناک، انسانیت سوز، موجب لعنت، خود ساختہ، غیر معتبر، غیر مستند، مخرب اخلاق، عقائد باطلہ کا بیان کیا گیا ہے جسے پڑھ کر آپ پکار اٹھیں گے کہ واقعی مقلدین احناف کی فقہ حنفیہ کے پرخچے اڑگئے اور قرآن وحدیث کا پرچم لہرارہا ہے''۔[3]

اس کتاب میں مولوی صاحب نے جو بیہودہ عنوانات قائم کر کے ان پر حاشیہ

---

[1] خطبہ امارت صفحہ ۱۵ [2] اصلی حنفی نماز صفحہ ۴ شائع کردہ شبان اہلحدیث ملتان [3] احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ صفحہ ۳

آرائی کی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

(۲) پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ رو ہونا اور پیٹھ کرنا مطلقاً منع ہے

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۲۶ پر ایک حدیث شریف ذکر کی ہے

"عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احد کم الغائط فَلَا یَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا یُوَلِّهَا ظَهْرَهُ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا"

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم بیت الخلاء آؤ تو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ رخ کرو نہ پیٹھ کرو۔

مذکورہ حدیث شریف سے ثابت ہو رہا ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت بغیر کسی عذر کے قبلہ رو ہونا اور پشت کرنا مطلقاً ناجائز ہے آبادی میں ہو یا صحرا میں کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس سے مطلقاً منع فرمایا ہے کسی مقام کی تفریق نہیں کی۔

علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں

"ومن خواصها ای الکعبة ایضا انه یحرم استقبالها و استدبارها عند قضاء الحاجة دون سائر بقاع الارض واصح المذاهب فی هذه المسئلة انه لافرق فی ذالك بین الفضاء والبنیان لبضعة عشر دلیلا قد ذکرت فی غیر هذا الموضع"[1]

بیت اللہ شریف کے خواص میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ قضاء حاجت کے وقت اس کی طرف رخ کرنا اور پشت کرنا حرام ہے دنیا کی باقی تمام جگہوں کے علاوہ، اور اس مسئلہ میں صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ استقبال و استدبار میں کوئی فرق نہیں خواہ فضاء میں ہو یا عمارت میں (ہر جگہ حرام ہے) ان دس دلائل کی وجہ سے جو میں نے دوسری جگہ بیان کئے ہیں

[1] زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج ا صفحہ ۸۔

لیکن بخاری شریف کی اس صحیح ،صریح ،مرفوع قولی حدیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ رو ہونا یا پشت کرنا بالکل جائز ہے، نا جائز ہونا تو دور رہا مکروہ بھی نہیں بلکہ سنت ہے چنانچہ مولانا محمد یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں

"مگر گھر میں یا کسی چیز کی آڑ میں جائز ہے"[1]

علامہ وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں

"وَلَا یکرہ الاستقبال والاستدبار للاستنجاء"[2]

استنجاء کرتے وقت قبلہ رو ہونا اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا مکروہ نہیں

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رح لکھتے ہیں

"ایک اور اُعجوبہ سماعت فرمائیں ،آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جواز مختلف فیہ ہے اس لئے احتیاط بہر حال اس میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہل حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بڑا اجہاد ہے چنانچہ کراچی میں انہوں نے اپنی مسجد کے استنجاخانے گرا کر از سر نو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں، وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے"[3]

(۳) امام بخاریؒ کے نزدیک منی ناپاک ہے:

بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۳۶ پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے "بَاب" اِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ اَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ اَثَرُهٗ "یعنی جب کوئی منی وغیرہ دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے ،اس باب کے تحت علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"امام بخاریؒ نے اس باب میں منی کے سوا اور نجاستوں کا ذکر نہیں کیا شاید ان کو منی پر قیاس کیا اس سے یہ نکلتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی منی نجس ہے"[4]

---

[1] تور المتقی صفحہ ۳۵۔ [2] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۵۳۔ [3] احسن الفتاوی ج ۳ صفحہ ۱۰۹۔ [4] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۱۷۰

علامہ وحید الزماں صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک منی ناپاک ہے لیکن غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے کہ منی پاک ہے چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب اپنا نظریہ لکھتے ہیں

"والمنی طاهر سواء کان رطبا اویا بسا مغلظا او غیر مغلظ "[1]

منی پاک ہے چاہے تر ہو یا خشک، گاڑھی ہو یا گاڑھی کے علاوہ

نواب نور الحسن لکھتے ہیں

"منی ہر چند پاک است"[2]

منی ہر صورت میں پاک ہے

نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں

ودر نجاستے منی آدمی دلیلی نیامده"[3]

"آدمی کی منی ناپاک ہونے کے سلسلے میں کوئی دلیل نہیں آئی"

(۴) تھوڑا پانی نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک ہوجاتا ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۳۷ پر باب قائم کیا ہے "باب البول فی الماء الدائم "یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا کیسا ہے، اس کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث شریف نقل کی ہے

"قَالَ (رسول الله صلی الله علیه وسلم) لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ"

رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہہ نہ رہا ہو پیشاب نہ کرے (کہ اس کے بعد) پھر اسی میں غسل کرنے لگے.

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر نجاست گر جائے تو

[1] کنز الحقائق صفحہ ۱۶ نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۴۹۔ [2] عرف الجادی صفحہ ۱۰۔ [3] بدور الاہلہ صفحہ ۱۵

وہ ناپاک ہوجاتا ہے چاہے پانی کے اوصافِ ثلثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی وصف بدلے یا نہ بدلے، کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے جو منع فرمایا ہے اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس طرح پانی ناپاک ہوجاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ پانی میں پیشاب کرنے سے نہ اس کا رنگ بدلتا ہے، نہ بو بدلتی ہے، نہ مزہ بدلتا ہے، لیکن بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف غیر مقلدین حضرات کا کہنا ہے کہ پانی اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے رنگ، بو، مزہ میں سے کوئی چیز نہ بدلے چاہے پانی تھوڑا ہو یا زیادہ چنانچہ

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

"آب باراں و دریا و چاہ طاہر و مطہر ست پلید نمی گردد مگر بنجاستے کہ بو یا مزہ یا رنگ اورا بر گرداند"[1]

بارش، دریا اور کنویں کا پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے وہ ناپاک نہیں ہوتا مگر اس نجاست سے جو اس کے رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دے۔

نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں

"لا یفسد ماء البئر ولو کان صغیرًا والماء فیہ قلیلا بوقوع نجاسۃ او موت حیوان دموی او غیر دموی ولوا نتفخ اوتفسخ او تمعط بشرط ان لا یتغیرا حد اوصافہ"[2]

کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا، اگرچہ کنواں چھوٹا اور اس میں پانی تھوڑا ہو کسی نجاست کے گرنے سے یا اس میں خونی یا غیر خونی جانور کے مرنے سے اگرچہ وہ جانور (مرکر) پھول گیا ہو یا پھٹ گیا ہو یا اس کے بال و پر گر گئے ہوں بشرطیکہ پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے۔

---

[1] عرف الجادی صفحہ ۹ [2] نزل الابرار ج ا صفحہ ۳۱

(۵) امام بخاریؒ کے نزدیک غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۴۰ پر باب قائم کیا ہے "باب المضمضة والاستنشاق فی الجنابة" غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔

اس باب کے تحت علامہ وحید الزماں تحریر فرماتے ہیں

"امام بخاریؒ کا مطلب یہ ہے کہ غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں ہے اور آپ نے جو کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا تو وضو پورا کرنے کے لئے اہل حدیث اور امام احمد بن حنبلؒ یہ فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل دونوں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک وضو میں سنت ہیں اور غسل میں فرض ہیں"[1]

علامہ وحید الزماں صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ غسل میں امام بخاریؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں ہیں جبکہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک یہ دونوں واجب ہیں۔

(۶) امام بخاریؒ کے نزدیک اعضاء وضوء میں موالات ضروری نہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۴۰ پر ایک باب قائم فرمایا ہے "بابُ تفریق الغسل و الوضوء ویذکر عن ابن عمر انه غسل قدمیه بعد ما جف" یہ باب غسل اور وضوء (کے اعضاء) کے درمیان فصل کرنے کے بیان میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے اعضاء وضوء کے خشک ہو جانے کے بعد پیروں کو دھویا۔

---

[1] تیسیر الباری ج اصفحہ ۱۸۸

اس باب کے تحت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل مرفوع حدیث ذکر کی ہے

"عن ابن عباس قال قالت ميمونة وَضَعْتُ لرسول الله صلى الله عليه وسلم ماءً يغتسل به فَاَفْرَغَ علىٰ يديه فغسلهما مرّتين مرّتين او ثلاثاً ثم أفرغ بيمينه علىٰ شماله فغسل مذا كيره ثم دلك يده بالارض ثم مضمض واستنشق ثم غسل وجهه ويديه وغسل رأسه ثلاثا ثم افرغ على جسده ثم تنحىٰ من مقامه فغسل قدميه "	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے لئے پانی رکھا کہ آپ اس سے غسل فرمالیں ،چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو دوبار یا تین بار دھویا ،پھر آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور اپنی شرمگاہ کو دھویا ،پھر آپ نے اپنا ہاتھ زمین سے رگڑا ،پھر آپ نے کلی فرمائی اور ناک میں پانی چڑھایا ، ـــ پھر آپ نے چہرۂ مبارک اور ہاتھوں کو دھویا اور سر مبارک کو تین بار دھویا ، پھر آپ نے پورے جسم پر پانی ڈالا پھر آپ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور دونوں پیروں کو دھویا ،

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ باب اور ذکر کردہ مرفوع حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ اُن کے نزدیک اعضاءِ وضوء کے دھونے میں فصل جائز ہے اور موالات (یعنی ایک عضوء کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضوء کو دھولینا) ضروری نہیں ہے چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب اس باب کے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں

"یعنی موالات نہ کرنا ـ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک موالات واجب نہیں امام بخاریؒ کا بھی یہی مذہب ہے ـ"[1]

---

[1] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۱۹۲ـ

لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ کے اس نظریہ اور اُن کی پیش کردہ مرفوع حدیث سے متفق نہیں اُن کے نزدیک ترک موالات بدعت ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں

”و ترکِ ولاء در وضوء بدعت ست وہرگز از آنحضرتؐ واز حاکیانِ وضوئش تفریق میانِ اعضاءِ وضوء ثابت نگشته بلکه یکے را بعد دیگرے می شست ،ومیان غسل دو عضو بچیزے دیگر مشتغل نمی شد ،پس تفریق رد ست برفاعلِ آں ووے غیر خالص ست از مبتدع بودن ،وفعل ابن عمر بتمسك نیرزد نیراکه کریئؓ صحابی حجت نباشد اگرچه بصحت رسد“[۱]

وضوء کے دوران موالات کو ترک کرنا بدعت ہے اور ہرگز بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے وضوء کے نقل کرنے والوں سے اعضاء وضوء کے درمیان فصل ثابت نہیں ہوا ، بلکہ آپ اعضاء وضوکو پے در پے دھوتے تھے اور دو اعضاء کے دھونے کے درمیان کسی دوسری چیز میں مشغول نہیں ہوتے تھے ،پس اعضاءِ وضو کے درمیان فصل اور تفریق خود اس کے کرنے والے پر رد ہے اور یہ کام مبتدع ہونے سے بچا ہوا نہیں اور حضرت ابن عمرؓ کا فعل استدلال کے لائق نہیں کیونکہ صحابی کا فعل حجت نہیں ہوتا اگر چہ وہ درجہ صحت ہی کو کیوں نہ پہونچا ہوا ہو“

ملاحظہ فرمایئے حضرت امام بخاریؒ اعضاء وضوء کے درمیان موالات کے ضروری نہ ہونے کو بتلانے کے لئے باب قائم کرتے ہیں اور اس کے ثبوت پر حضرت عبداللہ بن عمر

---

[۱] بدور الاھلۃ صفحہ ۲۸

رضی اللہ عنھما کا اثر اور حضور اکرم ﷺ کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس سے حضرت ابن عمرؓ اور حضور علیہ السلام کا اعضاء وضوء کے درمیان موالات نہ کرنا بلکہ تفریق اور فصل کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن غیر مقلدین کے حضرت نواب صاحب فرماتے ہیں کہ اعضاء وضوء کے درمیان موالات نہ کرنا اور فصل وتفریق کرنا بدعت ہے نقل کفر کفر نہ باشد اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت ابن عمرؓ دونوں نے بدعت کی تھی العیاذ باللہ

این کار از تو می آید مرداں چنیں کنند

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نواب صاحب کے نزدیک صحابیؓ کا فعل حجت نہیں ہے اگرچہ صحیح سند ہی سے کیوں نہ ثابت ہو۔

(۷) امام بخاریؒ کے نزدیک محض صحبت سے غسل فرض نہیں ہوتا:

حضرت امام بخاریؒ بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۴۳ پر انزال ہوئے بغیر محض صحبت سے غسل کے واجب ہونے یا نہ ہونے کے متعلق مختلف احادیث ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں ''قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ اَلْغُسْلُ اَحْوَطُ'' ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) کا کہنا ہے کہ غسل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک محض صحبت سے غسل فرض نہیں ہوتا جب تک کہ انزال نہ ہو البتہ غسل کر لینے میں احتیاط ہے: چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''وھھنا مذھب آخر ذھب الیہ طائفۃ من الصحابۃ واختارہ بعض اصحابنا کالامام البخاری وھو انہ لا یجب الغسل بالایلاج فقط اذا لم ینزل عملا بحدیث انما الماء من الماء'' [۱]

---

[۱] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۲۳

یہاں ایک مذہب اور بھی ہے جس کی طرف صحابہ[1] کی ایک جماعت گئی ہے اور ہمارے بعض اصحاب مثلاً امام بخاریؒ نے بھی اسی کو اپنایا ہے وہ یہ کہ غسل محض صحبت کرنے سے واجب نہیں ہوتا جب تک کہ انزال نہ ہو" انما الماء من الماء " والی حدیث پر عمل کرتے ہوئے"

لیکن امام بخاریؒ کے مسلک کے خلاف غیر مقلدین حضرات کا کہنا ہے کہ محض صحبت سے غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو، چنانچہ نواب نور الحسن مرحوم تحریر فرماتے ہیں

"وجوب غسل بخروج منی از شہوت ست اگرچہ بتفکر باشدو بملاقات ہر دو ختان اگرچہ انزال نہ شود"[2]

منی کے شہوت کے ساتھ نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اگرچہ خروج منی محض تفکر ہی سے ہوا ہو اسی طرح دونوں شرمگاہوں کے ملنے (یعنی صحبت کرنے) سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں

"تو مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ صرف دخول پر ہی مرد اور عورت دونوں جنبی ہو جاتے ہیں، اُن پر غسل واجب ہو جاتا ہے، انزال شرط نہیں"[3]

(۸) امام بخاریؒ کے نزدیک حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن پڑھنا صحیح ہے:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۴۴ پر ایک باب یوں قائم کیا ہے "باب تقضی الحائض المناسک کلها الا الطواف بالبیت "حیض والی عورت حج کے

---

[1] امام نوویؒ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں" وکانت جماعة من الصحابة علی انه لایجب الا بالانزال ثم رجع بعضهم و انعقد الاجماع بعد الآخرین" نووی ج ۱ صفحہ ۱۵۵۔ [2] عرف الجادی صفحہ ۱۳۔ [3] صلوٰۃ الرسول صفحہ ۶۳

سب کام کرتی رہے صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے بہت سے آثار ذکر کئے ہیں جن سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جنبی اور حائضہ کے لئے قرآن پڑھنا صحیح ہے، چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"اور امام بخاریؒ کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنب اور حائضہ دونوں کو قرآن پڑھنا درست ہے"[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لئے قرآن پڑھنا صحیح ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات اس کے خلاف یوں کہتے ہیں کہ جنبی اور حائضہ کے لئے قرآن پڑھنا صحیح نہیں چنانچہ نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

"وجنب و حائض را در آمدن بمسجد وخواندن قرآن حرام ست نه حلال"[۲]

جنبی اور حائضہ کے لئے مسجد میں آنا اور قرآن پڑھنا حرام ہے حلال نہیں ہے

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب رقمطراز ہیں

"جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا..... جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت الخ"[۳]

کچھ آگے چل کر حکیم صاحب نے یہ سرخی قائم کی ہے "حائضہ کو قرآن پڑھنے کی ممانعت" اس سرخی کے تحت آپ نے ایک حدیث شریف ذکر کی ہے

"عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقرأ الحائضُ ولا الجنبُ شيأً من القرآن (رواہ ترمذی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض والی عورت اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے"[۴]

مولانا محی الدین صاحب لکھتے ہیں

"جنابت کی حالت میں مسجد میں جانا جائز نہیں اور قرآن پڑھنے کی

---

۱ تیسیر الباری ج ا صفحہ ۲۱۵ ـ ۲ عرف الجادی صفحہ ۱۵ ـ ۳ صلوۃ الرسول صفحہ ۶۹ ـ ۴ صلوۃ الرسول صفحہ ۴۷

بھی ممانعت ہے'' [۱]

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن زیدی برادر پروفیسر طالب الرحمٰن لکھتے ہیں

''حالت جنابت وحیض میں قرآن حکیم کی تلاوت کے حرام ہونے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے مگر ان حالتوں میں مکروہ ضرور ہے'' [۲]

(۹) عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۵٦ پر حدیث ذکر کی ہے

''عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم انها قالت: کنتُ انام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ورجلای فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتهما قالت والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح''	نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے سوجاتی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ میں ہوتے آپ جب سجدہ میں جاتے تو مجھ کو چھو دیتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی، اُن دنوں گھر میں چراغ بھی نہ تھے۔

بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ عورت کو ہاتھ لگ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام دورانِ نماز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاؤں کو چھو لیتے تھے اور پھر بھی نماز پڑھتے رہتے تھے، اگر عورت کو ہاتھ لگانا ناقضِ وضو ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح نہ کرتے کیونکہ اس طرح کرنے سے وضوء ٹوٹ جاتا اور وضو ٹوٹنے سے نماز ٹوٹ جاتی اور دوہرانی پڑتی آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہاتھ سے چھونے کے باوجود نماز پڑھتے رہنا صاف بتلا رہا ہے کہ مسِ مَرْاَۃُ ناقضِ وضوء نہیں چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں

''وفی هذه الترجمة بیان صحتها ولو اصابها بعض جسده'' [۳]

---

[۱] فقہ محمدیہ ج اصفحہ ۳۱۔ [۲] نماز نبوی صفحہ ۵۸۔ [۳] فتح الباری ج اصفحہ ۹۵۳

اس ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر چہ مرد کا کوئی حصہ عورت کے جسم کے کسی حصہ سے لگ جائے تب بھی نماز درست ہے

لیکن غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کی اس صحیح حدیث کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ علامہ وحید الزماں ''باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں

''یہیں سے ترجمہ باب نکلتا ہے کیونکہ آپ نے بے وضوء قرآن کی آیتیں پڑھیں اس پر یہ اعتراض ہوا ہے کہ نیند سے آپ کا وضو نہیں جاتا تھا تو بے وضوء ہونا کہاں سے معلوم ہوا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے وضوء کیا تو ظاہر یہی ہے کہ وضوء ٹوٹ گیا تھا، دوسرے آپ اپنی بی بی کے ساتھ سوئے تھے اور عورت کا چھونا ناقضِ وضوء ہے'' [1]

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

''اس طرح اونٹ کا گوشت کھانے یا قے کرنے یا نکسیر پھوٹنے یا شہوت کے ساتھ شرمگاہ کو یا عورت کو چھونے یا جنازہ کو کندھا دینے سے بھی وضو کر لینے میں احتیاط ہے'' [2]

(۱۰) جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا:

حضرت امام بخاریؒ بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۵۶ پر ایک باب قائم کرتے ہیں ''باب الصلوٰۃ فی النعال'' جوتوں سمیت نماز پڑھنا، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث ذکر کی ہے

عن سعید بن یزید الازدی قال: سألت انس بن مالك أكان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ قال نعم''

حضرت سعید بن یزید ازدیؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آنحضرت ﷺ جوتیاں پہنے پہنے نماز پڑھتے تھے آپ نے فرمایا ہاں۔

---

[1] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۱۳۲۔ [2] فتاوی اہل حدیث ج ۱ صفحہ ۲۸۱

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''ابن بطال نے کہا جب جوتے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھنا جائز ہے، میں کہتا ہوں مستحب ہے''[۱]

ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں

''ویسن ان یصلی فی النعلین اذا کانا طاہرین ولو خلعھما وصلی بدونھما فلاباس''[۲]

جوتیاں پاک ہوں تو پھر جوتیوں سمیت ہی نماز پڑھنا مسنون ہے تاہم اگر جوتیاں اتار کر نماز پڑھی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں''

بخاری شریف کی حدیث مبارک سے معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتیوں سمیت نماز پڑھتے تھے، غیر مقلدین کے مقتدر عالم علامہ وحید الزماں جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کو سنت اور مستحب قرار دے رہے ہیں لیکن موجودہ دور کے غیر مقلدین کا اس پر عمل نہیں، ہم نے کسی غیر مقلد کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

(۱۱) امام بخاریؒ کے نزدیک اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا بلا کراہت صحیح ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۶۱ پر ایک باب قائم کیا ہے ''باب الصلوٰۃ فی مواضع الابل ''اونٹوں کے تھانوں (باڑہ) میں نماز پڑھنا،

اس کے تحت علامہ وحید الزماں تحریر فرماتے ہیں

''امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اونٹوں کے تھان میں نماز مکروہ رکھی ہے امام بخاریؒ نے ان پر رد کیا''[۳]

علامہ وحید الزماں صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے جبکہ اس کے برعکس خود علامہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں نماز حرام ہے، صرف حرام ہی نہیں بلکہ اعادہ

---

[۱] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۲۷۸۔ [۲] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۶۸۔ [۳] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۳۰۲

بھی لازم ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

''حق یہ ہے کہ اونٹوں کے تھانوں میں نماز حرام ہے اور جو کوئی وہاں نماز پڑھے اس پر اعادہ لازم ہے'' [۱]

(۱۲)مسجد میں محراب و منبر:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۷۱ پر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

عن سلمة قال :''كان جدار المسجد عند المنبر ما كادت الشاة تجوزها''

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسجد نبوی کی (قبلہ کی) دیوار اور منبر کے درمیان اتنا فاصلہ نہ تھا کہ ایک بکری گزر سکے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''حدیث سے یہ بھی نکلا کہ مسجد میں محراب اور منبر بنانا سنت نہیں ہے، محراب تو بالکل نہ ہونی چاہئے اور منبر لکڑی کا علیحدہ رکھنا چاہئے ہمارے زمانے میں یہ بلاعموماً پھیل گئی ہے ہر مسجد میں محراب اور منبر چونے اینٹ سے بناتے ہیں'' [۲]

بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں مسجد نبوی میں محراب نہیں تھی اور علامہ وحید الزماں کے نزدیک محراب بنانا غیر مسنون ہے اس سے بھی بڑھ کر مولانا عبدالستار صاحب کے نزدیک تو یہ بدعت ہے چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

''بیشک مساجد میں محرابِ مروجہ کا بنانا ناجائز اور بدعت ہے'' [۳]

لیکن بخاری شریف کی حدیث اور غیر مقلدین کے اکابر کی تحریرات کے خلاف موجودہ دور میں تمام غیر مقلدین کی مساجد میں یہ بدعت جاری ہے اور ان کی ہر مسجد میں منبر کے ساتھ محراب موجود ہے۔

---

[۱] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۳۰۲ ۔ [۲] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۳۲۲ ۔ [۳] فتاویٰ ستاریہ ج ۱ صفحہ ۱۳

(۱۳) امام بخاریؒ کے نزدیک سترہ ہر جگہ ضروری ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۷۲ پر ایک باب قائم کیا ہے "باب السترة بمكة و غيرها" مکہ مکرمہ اور دوسری جگہوں میں سترہ قائم کرنے کا بیان

اس باب کے تحت علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"امام بخاریؒ کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ سترہ لگانا ہر جگہ لازم ہے مکہ میں بھی اور بعضے حنابلہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک ہر جگہ منع ہے، امام بخاریؒ کا بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے، عبدالرزاق نے ایک حدیث نکالی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں بغیر سترہ کے نماز پڑھتے، امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا" [۱]

علامہ وحید الزماں صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک ہر جگہ سترہ قائم کرنا ضروری ہے سترہ کے بغیر نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہیں خواہ مکہ مکرمہ ہو یا کوئی اور جگہ، لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ کے اس نظریہ سے متفق نہیں اُن کے نزدیک مسجد حرام مکہ مکرمہ میں سترہ کے بغیر نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے چنانچہ مولانا عبداللہ روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

"بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا درست ہے" [۲]

(۱۴) گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے (یعنی تاخیر سے) پڑھنا سنت ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۷۶ پر ایک باب قائم کیا ہے "باب الابراد بالظهر فی شدة الحر" سخت گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنے کا بیان، اس باب کے تحت حضرت امام بخاریؒ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں، ملاحظہ فرمایئے

---

۱ تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۳۳۳ ـ ۲ ـ ۳ فتاوی اہل حدیث ج ۱ صفحہ ۴۵۷

(۱)عن ابی هريرة و عبد الله بن عمر انهما حدّثاه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال اذا اشتد الحر فابر دوا با لصلوٰة فان شدة الحرمن فيح جهنم"

حضرت ابوھریرہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھم رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب گرمی سخت ہوتو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔

(۲)عن ابی ذر قال اذّنَ مؤ ذن النبی صلى الله عليه وسلم الظهر فقال ابرد ابرد او قال انتظر انتظر وقال شدة الحرمن فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوة حتى رأينا فيئى التلول"

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کے موذن (حضرت بلالؓ) ظہر کی اذان دینے لگے آپ نے فرمایا ذرا ٹھنڈا ہونے دے ذرا ٹھنڈا ہونے دے یا یوں فرمایا ذرا ٹھہر جا ذرا ٹھہر جا اور فرمایا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے جب گرمی کی شدت ہوتو نماز کو ٹھنڈے وقت پر پڑھو یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ہم نے دیکھا،

....

....

(۳)عن ابی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال اذا اشتد الحرفابر دوا بالصلوٰة فان شدة الحرِ مِنْ فيح جهنم الحديث

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب گرمی سخت ہوتو نماز ٹھنڈے وقت پر پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔

(۴)عن ابی سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " ابردوا بالظهر فان شدة الحرمن فيح جهنم"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اس لئے کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی ان چاروں احادیث مبارکہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ گرمیوں

میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنی چاہئے آنحضرت ﷺ کا یہی حکم ہے، لیکن بخاری شریف کی ان چاروں احادیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے چنانچہ غیر مقلدین کے مقتدر عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری تحریر فرماتے ہیں

"نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے"[1]

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے اپنی کتاب "صلوٰۃ الرسول" میں نماز اول وقت پڑھنے پر بہت زور دیا ہے وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں

"ہمیں چاہئے کہ نمازوں کی رکھوالی کے ساتھ اُن کے اوقات کی محافظت بھی کریں اور پوری کوشش کریں کہ نمازیں اول وقت ادا ہوں"[2]

(۱۵) فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز جائز نہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۸۲ و صفحہ ۸۳ پر فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے متعلق چند احادیث ذکر کی ہیں

(۱) عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیعتین وعن لبستین وعن صلاتین نهی عن الصلوٰة بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس الحدیث	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دو طرح کے بیچنے اور دو طرح کے پہننے اور دو وقتوں کی نماز سے منع فرمایا صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا جب تک کہ سورج نہ نکلے اور عصر کے بعد جب تک کہ سورج ڈوب نہ جائے۔

---

[1] فتاوی ثنائیہ ج ۱ صفحہ ۵۵۳ [2] صلوٰۃ الرسول صفحہ ۱۴۶

(۲)عن ابی سعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "لا صلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوٰۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے صبح کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

(۳)عن ابی ھریرۃ قال "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس"

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دو نمازوں سے منع فرمایا ایک تو فجر کے بعد جب تک سورج نہ نکلے اور دوسرے عصر کے بعد جب تک سورج ڈوب نہ جائے۔

بخاری شریف کی ان تینوں احادیث مبارکہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

لیکن بخاری شریف کی ان احادیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ان اوقات میں تحیۃ المسجد کے نوافل، طواف کے نفل اور فجر کی سنتیں پڑھنی جائز ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ یہ حضرات فجر کی نماز کے فوراً بعد سنتیں پڑھ لیتے ہیں۔

نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں

"ونیست نماز بعد از صبح تا آنکہ مہر آید مگر دو رکعت سنت صبح و نہ بعد از عصر تاآنکہ غائب گردد مگردو رکعت طواف بلکہ ایں نماز در ہر ساعت از روز و شب جائز ست"[۱]

---

[۱] عرف الجادی صفحہ ۱۸

اور جائز نہیں نماز صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک البتہ فجر کی دو رکعت سنت جائز ہیں اور ایسے ہی عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں تا آنکہ سورج غائب ہو جائے، البتہ طواف کی دو رکعت نفل اس وقت بھی جائز ہیں بلکہ طواف کی یہ دو رکعتیں تو دن و رات کی ہر ساعت میں جائز ہیں۔

(۱۶) جو نمازیں قضا ہو گئی ہوں اُن کا ادا کرنا ضروری ہے:

بخاری شریف ج ا صفحہ ۸۳ پر حضرت امام بخاریؒ نے ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے "باب من صلی بالناس جماعةً بعد ذهاب الوقت" وقت گزر جانے کے بعد قضا نماز جماعت سے پڑھنا، اس باب کے تحت حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث شریف ذکر کی ہے

عن جابر بن عبد الله ان عمر بن الخطاب جاء يوم الخندق بعد ما غربت الشمس فجعل يَسُبُّ كفار قريش، قال يا رسول الله ما كدت اصلی العصر حتی كادت الشمس تغرب قال النبی صلی الله عليه وسلم والله ما صليتها فقمنا الی بطحان فتوضأ للصلوٰة وتوضأنا لها فصلی العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلی بعدها المغرب"

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے موقع پر جس دن خندق کھودی جارہی تھی سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور کفار قریش کو بُرا بھلا کہنے لگے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے بھی عصر نہیں پڑھی، ہم مقام بطحان میں پہونچ کر جا ٹھہرے آپ ﷺ نے وضوء فرمایا ہم نے بھی اس نماز کے لئے وضوء کیا، آپ نے عصر کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی پھر مغرب اس کے بعد ادا فرمائی۔

یہی حدیث شریف امام بخاریؒ نے بخاری ج ا صفحہ ۸۴ پر "باب قضاء

چنانچہ مولانا محمد یونس دہلوی تحریر فرماتے ہیں

"اگر کوئی دیدہ و دانستہ نمازیں چھوڑ دے اور پھر ان کی قضاء کرنا چاہے تو اس قسم کی نمازوں کی قضاء حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایسے آدمی کے لئے توبہ واستغفار کافی ہے" [۱]

مولانا عبداللہ روپڑی صاحب رقمطراز ہیں

"بلوغ کے بعد اگر نمازیں تھوڑی ہوں جو آسانی سے ادا ہو سکتی ہوں تو کرلی جائیں اگر زیادہ مدت کی ہوں جن کو ادا کرنا مشکل ہو تو یہی کافی ہے" [۲]

مفتی عبدالستار صاحب سابق امام جماعت غرباء اہلحدیث رقمطراز ہیں

"لیکن سوال یہ ہے کہ نماز قضاء کیوں ہوئی اصل یہ ہے کہ عمداً چھوڑی ہے شرع میں نہ قضاء کرنے کا حکم ہے اور نہ اس کی کوئی صورت ہے۔ انسان سو جائے تو جب بیدار ہو وہی اس کا وقت ہے اگر بھول جائے تو جب یاد آئے وہی اس کا وقت ہے اگر بے ہوش ہو جائے تو جب ہوش آئے وہی اس کا وقت ہے پھر قضاء ہو جانے کی صورت کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفسانی عذر بنا کر چھوڑی ہے جس کی قضاء نہیں اس پر جرم ہے کہ وہ کافر ہو گیا اس لئے مسلمان توبہ کر کے ہووے" [۳]

غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی صاحب ترک صلوٰۃ کی متعدد صورتیں بنا کر لکھتے ہیں۔

"پہلی صورت جس میں کسی عذر کے بغیر سہل انگاری سے نماز ترک ہوئی عمداً ترک میں شامل ہے اس کے لئے کوئی قضاء نہیں یہ چیز من ترک الصلوۃ متعمداً میں شامل ہے اس کا توبہ نصوح کے علاوہ کوئی علاج نہیں" [۴]

۱۔ دستور المتقی صفحہ ۱۳۹ ۲۔ فتاوی اہل حدیث ج ۱ صفحہ ۲۱۵ ۳۔ فتاویٰ ستاریہ ج ۴ صفحہ ۱۵۴ ۴۔ رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۱۵

(۱۷) امام بخاریؒ کے نزدیک امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی پڑھیں گے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۹۱ پر ایک باب قائم کیا ہے "باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ" بیمار کو کس حد تک جماعت میں آنا چاہئے، اس باب کے تحت حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں آپ کے حکم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو آپ مسجد تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ امام اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو پیچھے کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنی چاہئے۔

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں

"واستدل بہ علی صحۃ صلوٰۃ القادر علی القیام قائما خلف القاعد"[۱]

اس حدیث شریف سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو قیام پر قادر ہو اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی،

یہی مسلک جمہور صحابہ و تابعین امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام بخاری رحمھم اللہ کا ہے اس باب سے کچھ آگے چل کر امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب انما جعل الامام لیؤتم بہ" اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے مروی دو ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں آپ نے مقتدیوں کو حکم دیا ہے کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو" یہ دونوں احادیث بظاہر چونکہ جمہور اور امام بخاریؒ کے موقف کے خلاف نظر آتی ہیں اس لئے امام بخاریؒ ان احادیث مبارکہ کا جواب اپنے استاذ امام حمیدیؒ کی زبانی ذکر فرماتے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں

---

[۱] فتح الباری ج ۲ صفحہ ۱۵۶

"قال ابو عبداللہ: قال الحمیدی قولہ اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا ھو فی مرضہ القدیم ثم صلی بعد ذالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفہ قیام لم یأ مرھم بالقعود وانما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم"[1]

ابو عبداللہ یعنی امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ حمیدیؒ نے فرمایا کہ یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو یہ آپ نے اپنی پرانی بیماری (۵ ھ) کے موقع پر فرمایا تھا پھر اس کے بعد (مرض الوفات میں) آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں اس فعل کو معمول بنایا جاتا ہے جو آخری ہو۔

امام بخاریؒ نے جو اپنے استاذ محترم کا قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ امام بخاریؒ کے نزدیک منسوخ ہیں اور یہ مرض الوفات والی حدیث ناسخ ہے لہٰذا اسی پر عمل ہونا چاہئے۔

لیکن غیر مقلدین حضرات نہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور نہ امام بخاریؒ کے اس موقف کا احترام کرتے ہیں اُن کے نزدیک بہر صورت مسئلہ یہی ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"امام احمدؒ اور اہل حدیث کا یہی مذہب ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں"[2]

(۱۸) امام بخاریؒ کے نزدیک امامت کا مستحق اولاً وہ ہے جو اعلم ہو:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۹۳ پر باب قائم کیا ہے "باب

[1] بخاری ج اصفحہ ۹۶۔ [2] تیسیر الباری ج اصفحہ ۴۳۹

اهل العلم و الفضل احق بالا مامة ’’سب سے زیادہ حق دار امامت کا وہ ہے جو علم اور فضیلت والا ہو، اس باب کے تحت امام بخاریؒ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے امام بنائے جانے سے متعلق احادیث مبارکہ لائے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک امامت کا حق دار سب سے پہلے وہ شخص ہے جو اعلم بالسنۃ ہو یعنی جسے سنت کا علم سب سے زیادہ حاصل ہو، امام بخاریؒ کے استدلال کا مدار اس پر ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے امام بنائے جانے کا یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے مرض الوفات کے زمانہ میں پیش آیا اور اس زمانے میں حضرت اُبی بن کعب اَقرأ تھے لیکن اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے نامزد فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اَقرأ نہیں تھے بلکہ اعلم و افضل تھے اس سے ثابت ہوا کہ امامت کا حق دار سب سے پہلے وہ شخص ہوگا جو اَعْلَم ہو یہی مسلک ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام بخاریؒ اور جمہور علماء کا۔

لیکن بخاری شریف کی ان احادیث مبارکہ اور امام بخاریؒ کے مسلک کے خلاف غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے امامت کا حق دار وہ ہے جو قوم میں اَقْـــــرأ ہو چنانچہ

مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں

’’قلت القول الظاهر الراجح عندي هو تقديم الاقرأ على الافقه‘‘[1] میں کہتا ہوں کہ قول ظاہر جو میرے نزدیک راجح بھی ہے وہ یہ ہے کہ اَقْرأ اَفْقہ پر مقدم ہے

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

’’واقدم در امامت اَقْرء لکتاب اللہ ست پستر اعلم بسنت‘‘[2] امامت میں سب سے مقدم اَقْرأ ہے اس کے بعد اَعْلَمْ بالسنۃ ہے

---

[1] تحفۃ الاحوذی ج ۱ صفحہ ۱۹۷ طبع نشر السنۃ ملتان [2] عرف الجادی صفحہ ۳۶

نواب وحید الزماں صاحب رقمطراز ہیں

" واحقهم بالا مامة اقرئهم امامت کا سب سے زیادہ حق دار اقرأ ہے لکتاب الله فان استووا فاعلمهم اگر سب برابر ہوں تو پھر اعلم ہے بالسنة "[1]

(۱۹) امام کو نماز مختصر اور ہلکی پڑھانی چاہئے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۹۷ پر ایک باب باندھا ہے "باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود" "امام کے قیام میں تخفیف اور رکوع وسجود میں تمامیت ملحوظ رکھنے کا بیان، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے ایک حدیث شریف ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: خدا کی قسم میں فجر کی نماز میں فلاں امام کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ نماز بڑی لمبی پڑھاتے ہیں، حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو کسی وعظ و نصیحت کے موقع پر اس دن سے زیادہ سخت غصہ میں نہیں دیکھا آپ نے فرمایا" تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، جو بھی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو اختصار ملحوظ رکھنا چاہئے کیونکہ نمازیوں میں کوئی کمزور ہوتا ہے کوئی بوڑھا ہوتا ہے کوئی ضرورت مند ہوتا ہے"

اس حدیث مبارک سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ امام کو نماز مختصر اور ہلکی پڑھانی چاہئے، لیکن بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف غیر مقلدین اس قدر لمبی نماز پڑھاتے ہیں جسکی حد نہیں۔

چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب کے سوانح نگار فضل حسین بہاری میاں صاحب کے صاحبزادے میاں شریف حسین صاحب کی بابت تحریر فرماتے ہیں

" امامت نماز پنجگانہ کی وہی کرتے اور نماز میں تعدیل ارکان کا

---

[1] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۹۶

خیال اور احسان کا دھیان بہت رکھتے ، صبح کی نماز تقریباً ۴۵ منٹ میں اور ظہر کی نصف گھنٹہ میں ختم کرتے ، رکوع وسجود میں مکث طویل فرماتے ، جناب میاں صاحب بھی اکثر اُن کے غائبانہ فرماتے کہ میرا سا امام دہلی سے کلکتہ تک نہیں'' [1]

یہی سوانح نگار میاں صاحب کے مجاہدہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں

''مولانا شریف حسین صاحب مرحوم کی امامت میں کوئی نماز نصف گھنٹے سے کم میں تو ختم ہی نہ ہوتی جو بجائے خود ایک ریاضت شاقہ تھی ، دلی کی گرمی سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس مجاہدہ کا اندازہ کر سکتے ہیں'' [2]

(۲۰) نماز میں بسم اللّٰہ علی الاطلاق آہستہ پڑھنا سنت ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۰۲ پر ایک باب قائم کیا ہے ''باب مایقرا بعد التکبیر '' یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے ، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث مبارک ذکر کی ہے

''عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر و عمر کانوا یفتتحون الصلوۃ بالحمدللہ رب العلمین''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز میں قراءت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔

بخاری شریف کی اس روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سرًا یعنی آہستہ آواز سے پڑھنی چاہئے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز میں قراءت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے بتلا رہے ہیں اور دیگر بہت سی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ نماز میں ثناء کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھا کرتے تھے ایسی صورت میں قراءت کے الحمد للہ سے آغاز کا مطلب یہی ہوگا کہ آپ حضرات بسم اللہ تو آہستہ آواز سے پڑھتے تھے اور سورۂ فاتحہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے

---

[1] الحیاۃ بعد الممات صفحہ ۲۷۷۔ [2] الحیاۃ بعد الممات صفحہ ۱۳۷

گویا اونچی آواز سے قراءت کا آغاز الحمدللہ سے ہوتا تھا۔

لیکن بخاری شریف کی اس حدیث اور اس جیسی دیگر صحیح احادیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ بسم اللہ جہری نمازوں میں جہراً پڑھنی چاہئے یہی بہتر ہے،

چنانچہ نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں

''ودر نماز جہریہ بجہر و در سریہ بسر باید خواند''[1]

بسم اللہ جہری نماز میں جہراً اور سری نماز میں سراً پڑھنی چاہئے

مولانا محمد یونس دہلوی رقمطراز ہیں

''جہری نماز میں پکار کر اور سری نماز میں آہستہ سے پڑھنا بہتر ہے''[2]

(۲۱) امام بخاریؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں جیسے امام پر قراءت واجب ہے ویسے ہی مقتدی پر بھی:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۱۰۴ پر ایک باب قائم کیا ہے ''بـــاب وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوات کلها فی الحضر و السفر وما یجهر فیها وما یخافت'' تمام نمازوں میں قراءت سب پر واجب ہے امام ہو یا مقتدی، حضر میں ہو یا سفر میں، جہری نماز ہو یا سری نماز، امام بخاریؒ کے قائم کردہ اس باب سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں جیسے امام پر قراءت واجب ہے ویسے ہی مقتدی پر بھی واجب ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے امام کے لئے سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھنا واجب ہے ایسے ہی مقتدی کے لئے بھی سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھنا واجب ہے ورنہ تو امام بخاریؒ یوں باب باندھتے ''باب وجوب الفاتحة للامام والـمـامـوم'' کہ امام اور مقتدی پر صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ کے اس قائم کردہ باب کے خلاف مقتدی پر صرف سورۂ فاتحہ واجب قرار دیتے ہیں دوسری سورت نہیں چنانچہ علامہ وحیدالزماں صاحب لکھتے ہیں

''اہلحدیث کہتے ہیں بے شک مقتدی کو فاتحہ کے سوا اور کوئی قراءت ضروری نہیں''[3]

---

[1] عرف الجادی صفحہ ۳۶ ـ [2] دستورالمتقی صفحہ ۹۲ ـ [3] تیسیر الباری ج اصفحہ ۴۹۸ ـ

(۲۲)فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۱۰۷ پر ایک باب قائم فرمایا ہے'' باب یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب'' پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا (ترجمہ مولانا وحید الزماں صاحب) اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث مبارک ذکر کی ہے

عن ابی قتادة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الظہر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب'' الحدیث

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں (ہر رکعت میں ایک) پڑھتے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے۔

بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت دونوں پڑھنی چاہئیں اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسی پر تھا۔

لیکن غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کی اس صاف وصریح حدیث نیز دیگر متعدد احادیث کے خلاف کہتے ہیں کہ فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت بھی پڑھ سکتے ہیں چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں

''یجوز للرجل ان یقرأ بعد الفاتحة السورة فی الاخریین ایضا من الصلوٰة الرباعیة'' [1]

---

[1] نزل الابرار ج اصفحہ ۷۸

آدمی کے لئے جائز ہے کہ چار رکعت والی نماز میں دوسری دو رکعتوں
کے اندر سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھ لے۔

(۲۳) مقتدی کی نماز فاتحہ پڑھے بغیر بھی ہوجاتی ہے اور مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۰۸ پر ایک باب اس طرح قائم کیا ہے "باب" اذا رکع دون الصف " صف میں پہونچنے سے پہلے رکوع کر لینا، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے ایک حدیث شریف ذکر کی ہے جو اس طرح ہے

"عن ابی بکرة انه انتهی الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فذکر ذالك للنبی صلی الله علیه وسلم فقال زادك الله حرصا وَلَا تَعُدْ"

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہونچے جب آپ رکوع میں تھے، تو صف میں شامل ہونے سے پہلے انہوں نے رکوع کرلیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ اس سے زیادہ تجھ کو (نیک کام کی) حرص دے لیکن پھر ایسا نہ کر (ترجمہ علامہ وحید الزماں)

بخاری شریف کی اس حدیث مبارک سے دو باتیں ثابت ہو رہی ہیں، ایک تو یہ کہ مقتدی کی نماز سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر بھی ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا اُسے وہ رکعت مل گئی، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جو صاحب واقعہ ہیں انہوں نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تھی اور رکوع میں شریک ہو گئے تھے، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے ان کی حوصلہ افزائی تو فرمائی لیکن نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ ان کی نماز ہوگئی تھی اگر ان کی نماز نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں نماز لوٹانے کا حکم دیتے۔
لیکن بخاری شریف کی اس صاف حدیث کے خلاف غیر مقلدین کہتے ہیں کہ

سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ہی رکوع میں شریک ہونے والے کو وہ رکعت ملتی ہے اُسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیے چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن گورکھپوری لکھتے ہیں

"مدرکِ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی اس لئے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے" [1]

نواب نورالحسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں

"بے فاتحہ نہ نماز صحیح است و نہ ادراکِ رکعت معتدبہ" [2]

سورۂ فاتحہ کے بغیر نہ نماز صحیح ہے اور نہ ہی (رکوع میں امام کو پانے سے) رکعت پانے کا اعتبار ہے۔

علامہ وحیدالزماں رقمطراز ہیں

"ولو وجد الامام فی الرکوع لا یعتد بتلک الرکعة لان قرأة الفاتحة فرض عندنا" [3]

اگر امام کو رکوع میں پالیا تو نماز میں اس رکعت کو شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے

مولانا محمد یونس دہلوی لکھتے ہیں

"مدرکِ رکوع کی رکعت ہرگز نہیں ہوتی" [4]

اسی پر بس نہیں ایک غیر مقلد صاحب نے تو کمال کر دیا کہ مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جانے کا قول کرنے والے کے بارے میں مخلد فی النار (ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے) کا فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ امامِ اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم اپنی کتاب "احسن الکلام" میں یہ فتویٰ ایک غیر مقلد مگر منصف مزاج عالم کی زبانی نقل کرتے ہیں

---

[1] فتاویٰ نذیریہ ج ۱ صفحہ ۴۹۶ ۔ [2] عرف الجادی صفحہ ۲۶ ۔ [3] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۱۳۳ ۔ [4] دستور المتقی صفحہ ۱۱۱

''اول تحریر ایک ہمارے ہی علماء اہل حدیث کی پرچہ تنظیم میں طبع ہوئی تھی جس میں مولانا موصوف نے مدرکِ رکوع کے اعتداد والوں کو مخلد فی النار (ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے) تک کا حکم صادر فرمادیا تھا نتیجہ اس طرح نکالا تھا کہ مدرکِ رکوع سے فاتحہ مفقود ہوتی ہے لہٰذا اس کی نماز نہیں جس کی نماز نہیں وہ بے نماز ہے، بے نماز کافر ہے اور وہ مخلد فی النار ہے بلفظہٖ''[۱]

(۲۴) امام بخاریؒ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل واجب نہیں:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۱۲۰ پر ایک باب اس طرح قائم کیا ہے ''بابُ فضل الغسل یوم الجمعة'' جمعہ کے دن نہانے کی فضیلت، امام بخاریؒ نے جو جمعہ کے غسل کے لئے باب قائم کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا باعثِ فضیلت اور باعثِ اجر وثواب ہے لیکن واجب نہیں چنانچہ علامہ ابن حجرؒ اس باب کے تحت تحریر فرماتے ہیں

''قال الزين بن المنير: لم يذكر الحكم لما وقع فيه الخلاف، واقتصر على الفضل لان معناه الترغيب فيه وهو القدر الذى تتفق الادلة على ثبوته''[۲]

زین بن المنیرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جمعہ کے دن غسل کا حکم بیان نہیں کیا (کہ نفل ہے، سنت ہے یا واجب) وجہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے، بلکہ امام بخاریؒ نے اس باب میں لفظِ فضل پر اقتصار کیا ہے جس میں ترغیب مقصود ہوتی ہے یہی وہ درجہ ہے جس کے ثبوت پر دلائل متفق ہیں۔

علامہ وحید الزماں صاحب اس باب کے تحت لکھتے ہیں

''اور امام بخاریؒ نے آگے کی حدیث سے اس کا سنت ہونا ثابت کیا ہے''[۳]

---

[۱] اتمام الرکوع فی ادراک الرکوع صفحہ ۱ بحوالہ احسن الکلام ج ۱ صفحہ ۵۵۔ [۲] فتح الباری ج ۲ صفحہ ۳۵۷ [۳] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ

حضرت امام بخاریؒ کے ساتھ ساتھ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا موقف بھی یہی ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے۔

لیکن امام بخاریؒ اور جمہور فقہاء کے موقف کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

چنانچہ نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

"و برائے جمعه واجب ست"[1]

اور جمعہ کے لئے غسل واجب ہے

علامہ وحید الزماں تحریر فرماتے ہیں

"ولمن یرید ان یصلی الجمعة واجب"[2]

اور جو شخص جمعہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اس پر غسل واجب ہے

موصوف بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں

"جمعہ کے دن غسل کرنا بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو اہل حدیث اور علماء ظاہر کے نزدیک واجب ہے"[3]

مولانا محمد یونس قریشی صاحب رقمطراز ہیں

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے"[4]

(۲۵) جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہوتا ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۲۳ پر یہ باب قائم فرمایا ہے

"باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس و كذالك يذكر عن عمر و علی و النعمان بن بشیر و عمرو بن حریث" جمعہ کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے ایسے ہی منقول ہے حضرت عمر حضرت علی حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنھم سے، اس باب کے تحت حضرت امام بخاریؒ نے درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے

---

[1] عرف الجادی صفحہ ۱۳۔ [2] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۲۵۔ [3] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۲۔ [4] دستور المتقی ۔ ۵۔

عن انس بن مالك انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى الجمعة حين تميل الشمسُ"	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا،

حضرت امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب اور ذکر کردہ حدیث دونوں سے ثابت ہورہا ہے کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں

"جزم بهذه المسئلة مع وقوع الخلاف فيها لضعف دليل المخالف عنده" [1]	امام بخاریؒ نے اس مسئلہ کو (کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے) بڑے جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ اس میں خلاف واقع ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک خلاف کرنے والے کی دلیل ضعیف وکمزور ہے۔

نواب وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"امام بخاریؒ نے وہی مذہب اختیار کیا جو جمہور کا ہے کہ جمعہ کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے کیونکہ وہ ظہر کا قائم مقام ہے" [2]

لیکن امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب، ان کے مسلک وموقف اور ان کی ذکر کردہ حدیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جمعہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے اور غیر مقلدین کے مترجم وفقیہ نواب وحید الزماں صاحب کا تو کہنا ہے کہ جمعہ کا وقت سورج کے نیزہ بھر بلند ہوجانے سے ہی شروع ہوجاتا ہے چنانچہ

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں

"وقد وَرَدَ ما يدل على انها تجزئ قبل الزوال" [3]

---

[1] فتح الباری ج ۲ صفحہ ۳۸۷۔ [2] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۱۹۔ [3] الروضۃ الندیۃ ج ۱ صفحہ ۱۳۷

اور تحقیق ایسی حدیث بھی آئی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ زوال سے پہلے جائز ہے (کچھ آگے چل کر آپ نے جمعہ کے زوال سے پہلے جائز ہونے کو حق قرار دیا ہے)

نواب نورالحسن صاحب رقمطراز ہیں

"ووقت نماز جمعه نماز ظهر ست و قبل از زوال هم جائز باشد"[1]

نماز جمعہ کا وقت وہی ہے جو نماز ظہر کا ہے البتہ جمعہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے

نواب وحیدالزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"ووقتها من حين ارتفاع الشمس قدرر مح الى انتهاء وقت الظهر"[2]

جمعہ کا وقت اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور ظہر کے اخیر وقت تک رہتا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے فتاوی اہل حدیث ج ۲ صفحہ ۲۲

(۲۶) جمعہ کی دو اذانیں مسنون ہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۲۵ پر ایک باب اس طرح باندھا ہے "باب التاذين عند الخطبة" خطبہ کے وقت اذان دینے کا بیان، اس باب کے تحت امام بخاریؒ یہ حدیث ذکر کرتے ہیں

عن الزهری قال: سمعت السائب بن يزيد يقول: ان الاذان امام زہریؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے

---

۱ النهج المقبول فی شرائع الرسول صفحہ ۳۸۔ ۲ نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۱۵۲

یوم الجمعة کان اَوَّلُہٗ حین یجلس الامام علی المنبر فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلما کان فی خلافة عثمان و کثروا اَمَرَ عثمانُ یوم الجمعة بالاذان الثالث فَاُذِّنَ بہٖ علی الزوراء فثبت الامر علی ذالك"	کہ جمعہ کی پہلی اذان رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی جب امام (خطبہ کیلئے) بیٹھتا تھا، حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور نمازی بہت بڑھ گئے تو انہوں نے تیسری اذان (جو زوال کے بعد ابتداء دی جاتی ہے اس کا حکم دیا) چنانچہ وہ زوراء پر دی گئی اور پھر یہ ایک مستقل سنت بن گئی۔

بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں سے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی جو امام کے سامنے منبر کے پاس دی جاتی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگ زیادہ ہوگئے تو آپ کے حکم سے ایک اذان اور دی جانے لگی، یہ اذان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں دی جاتی تھی، صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، چنانچہ یہ اذان باجماع صحابہ رائج ہوگئی اور ہر زمانے میں اس پر عمل ہوتا رہا، کسی امام اور کسی فقیہ و مجتہد نے اس سے اختلاف نہیں کیا اور اختلاف کر بھی کیسے سکتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، یہ اذان چونکہ خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے جاری ہوئی ہے اس لئے یہ ان کی سنت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق اس پر عمل ضروری ہے۔ پہلے یہ اذان زوراء پر دی جاتی تھی بعد میں مسجد میں دی جانے لگی آج بھی تمام اسلامی ممالک میں یہ اذان مسجد ہی میں دی جا رہی ہے، حج پر جانے والے خوش نصیب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں یہ اذان مسجد حرام کے اندر اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر دی جاتی ہے، الحمد للہ راقم الحروف بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر چکا

ہے ،اس اذان کے مسجد کے اندر دیئے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا لیکن حدیث مبارک ،اجماع امت ،تعامل وتوارث امت کے خلاف جو غیر مقلدین بیس رکعات تراویح کو بدعت قرار دیتے تھے اُنہوں نے جمعہ کی اس اذان کو بھی بدعت قرار دے دیا، ان غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ یہ اذان چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ سنت نہیں ہوسکتی ،یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین یہ اذان نہیں دیتے بلکہ اس کے مسجد میں دیئے جانے کو بدعت قرار دیتے ہوئے اس سے روکتے ہیں

چنانچہ مولانا محمد صاحب جونا گڑھی لکھتے ہیں

''حضور ﷺ کے زمانہ اور آپ کے بعد کے دو خلیفوں کے زمانہ میں تو اس دوسری اذان کا وجود بھی نہ تھا ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایجاد ہوئی جو وقت معلوم کرنے کے لئے زوراء بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی نہ کہ مسجد میں پس ہمارے زمانے میں مسجد میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں اور کسی طرح جائز نہیں۔''

(فتاویٰ ستاریہ ج ۳ صفحہ ۸۵)

مولانا عبید اللہ صاحب مدرس مدرسہ زبیدیہ لکھتے ہیں

''جمعہ کی نماز کے واسطے مسجد میں ایک ہی اذان کا ثبوت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسری اذان خارج عن المسجد ثابت ہے پس اِسی اذان پر اختصار کرنا چاہیے اور دوسری اذان نہ کہنا چاہئیے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج ۳ صفحہ ۸۵)

مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ میاں صاحب دہلوی رقمطراز ہیں

''اب مسجد میں دو اذانیں کہنا بدعت ہے''

(فتاویٰ ستاریہ ج ۳ صفحہ ۸۷)

غیر مقلدین کے ترجمان رسالہ ''الاعتصام'' کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں

''جمعہ کے روز ایک اذان کا خطبہ کے وقت ہونا مسنون ہے دو اذان

کی ضرورت نہیں...... لہذا اذان عثمانی جس کو پہلی اذان کہا جاتا ہے
اس کو مسجد میں کہلوانا بدعت ہے" (فتاوی علماء حدیث ج ۲ صفحہ ۱۷۹)
جماعت غرباء اہلحدیث کے امام اول عبدالوہاب صاحب صدری کے سوانح نگار
ابو محمد میانوالی لکھتے ہیں
"مساجد احناف و اہلحدیث میں جمعہ کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں
جیسا کہ آجکل احناف کے ہاں مروج ہے، مولانا موصوف
(عبدالوہاب صاحب: ناقل) نے پہلی اذان جو مسجد میں خطبہ سے
گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ہوتی تھی اسے ثقہ دلائل سے بدعت ثابت کر
کے موقوف کا فتویٰ صادر فرمایا اور دوسری اذان عند جلوس الامام علی
المنبر کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا آج اکثر مساجد اہل حدیث میں اس
طریقہ نبوی پر عمل ہو رہا ہے" [1]
نواب وحید الزماں صاحب بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں
"اس سنت نبوی کو سوائے اہل حدیث کے اور کوئی بجا نہیں لاتے
جہاں دیکھو سنت عثمانی کا رواج ہے" [2]
پروفیسر طالب الرحمٰن کے بھائی ڈاکٹر شفیق الرحمٰن لکھتے ہیں
"مسجد کے اندر امام کے خطبہ سے پہلے صرف ایک اذان ہے اکثر
مساجد میں اس سے قبل دی جانے والی اذان کا ثبوت حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کے دور سے بھی نہیں ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا
چاہیے" [3]

(۲۷) وتر، تہجد، نفل سب الگ الگ نمازیں ہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۳۵ پر ایک عنوان قائم کیا ہے
"اَبْوَابُ الْوِتْر" "نماز وتر کا بیان، اس عنوان کے تحت علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

[1] مجموعہ رسائل مکمل نماز و ہدایت النبی صفحہ ۲۱ [2] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۲۱ ـ [3] نماز نبوی صفحہ ۲۵۷

"ولم یتعرض البخاری لحکمه لکن افراده بترجمۃ عن ابواب التهجد والتطوع یقتضی انه غیر ملحق بهما عنده[1]"

امام بخاریؒ نے وتر کا حکم بیان نہیں فرمایا (کہ آیا وتر واجب ہے یا سنت) لیکن آپ نے جو ابواب تہجد اور تطوع سے ہٹ کر وتر کا بیان ایک الگ عنوان سے کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک وتر، تہجد اور تطوع (نفلی نماز) کے ساتھ لاحق نہیں ہے (بلکہ الگ نماز ہے)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس بیان سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تہجد اور تطوع یعنی نفلی نماز یہ وتر سے علیحدہ الگ الگ نمازیں ہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے اس نظریہ کے خلاف غیر مقلدین حضرات کا کہنا ہے کہ تراویح تہجد، وتر سب ایک ہی ہیں چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"صحیح یہ ہے کہ تراویح، تہجد، وتر صلوۃ اللیل سب ایک ہی ہیں"[2]

(۲۸) وتر میں دعاء قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھنی چاہئے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۳۶ پر ایک حدیث اس طرح روایت کی ہے

"عن عاصم قال: سالت انس بن مالك عن القنوت فقال قد كان القنوت، قلتُ قبل الركوع او بعدهٗ قال قبله، قال فان فلانا اخبرني عنك انك قلت بعد الركوع

حضرت عاصم احولؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا قنوت تو تھی، میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ آپ نے فرمایا (رکوع سے) پہلے،

---

[1] فتح الباری ج ۲ صفحہ ۴۷۸ کتاب الوتر۔ [2] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۷۷

فقال کذب ،انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شھرًا أراہ کان بعث قومًا یقال لھم القراء زھاء سبعین رجلا الی قوم من المشرکین دون اولئک وکان بینھم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عھد فقنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرًا یدعو علیھم"

حضرت عاصمؒ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کی جانب سے یہ خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ رکوع کہ بعد ہے، آپ نے فرمایا اس نے غلط کہا، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینے قنوت پڑھی ہے میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے ستر کے قریب افراد کی جماعت کو جنہیں قراء کہا جاتا تھا مشرکین کی طرف بھیجا تھا یہ مشرکین ان کے علاوہ تھے (جن کے لئے آپ نے بددعا کی تھی) ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا پس رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک (رکوع کے بعد) قنوت پڑھی آپ ان کے لئے بددعا فرماتے تھے۔

بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۵۸۶ پر یہی حدیث امام بخاریؒ نے مختصراً ذکر کی ہے

قال عبدالعزیز وسأل رجل "انسًا عن القنوت أبَعْدَ الرکوعِ او عند فراغ من القراءۃ؟ قال لابل عند فراغ من القراءۃ

حضرت عبد العزیز فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت وتر کے بارے میں پوچھا کہ رکوع کے بعد پڑھی جائے یا قراءت سے فارغ ہوکر (رکوع سے پہلے) آپ نے فرمایا قراءت سے فارغ ہوکر۔

بخاری شریف کی ان دونوں احادیث مبارکہ سے ثابت ہورہا ہے کہ وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے

لیکن بخاری شریف کی ان دونوں احادیث کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک وتر میں قنوت رکوع کے بعد پڑھنا مستحب اور پسندیدہ ہے، چنانچہ اخبار اہل حدیث دہلی کے مفتی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

''صحیح حدیث سے صراحۃً ہاتھ اٹھا کر یا باندھ کر قنوت پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا ہے دعا ہونے کی حیثیت سے ہاتھ اُٹھا کر پڑھنا اولیٰ ہے، رکوع کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے، اگر پہلے پڑھ لے تب بھی جائز ہے کیونکہ بعض روایات میں قبل الرکوع بھی آیا ہے، ہاتھ اُٹھا کر باندھ لینے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا''[1]

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رقمطراز ہیں

"یجوز القنوت فی الوتر قبل الرکوع و بعدہ والمختار عندی بعدَ الرکوع''[2] وتر میں قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح جائز ہے، میرے نزدیک مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ رکوع کے بعد پڑھی جائے۔

مولانا عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں

''اور اسی طرح رکوع سے پہلے دعاء قنوت کا ثابت کرنا اور اسی پر حصر کرنا یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ پہلے پیچھے دونوں طرح ثابت ہے پس دونوں پر عمل چاہیے''[3]

غیر مقلدین کا جھوٹ

فتاوٰی علماء حدیث میں جو یہ درج ہے کہ ''بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے'' یہ سراسر جھوٹ ہے، بخاری شریف میں وتر میں دعاء قنوت بعد الرکوع پڑھنے کی کوئی حدیث نہیں ورنہ پیش کی جائے دیدہ باید

---

[1] فتاوٰی علماء حدیث ج ۳ صفحہ ۲۰۵۔ [2] تحفۃ الاحوذی ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ [3] فتاوٰی اہل حدیث ج ۱ صفحہ ۶۳۲

صادق سیالکوٹی صاحب کا دھوکہ اور خیانت

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لئے کہ وتر میں دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہئے، انتہائی دھوکہ دہی اور خیانت سے کام لیا ہے، چنانچہ انہوں نے ایک تو اپنی کتاب صلوۃ الرسول صفحہ ۳۵۹۔۳۶۰ کے حاشیہ میں نسائی اور ابوداود شریف کے حوالے سے دو حدیثیں ذکر کی ہیں جن سے بزعم خویش یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ان میں چونکہ رکوع کے بعد قنوت کا ذکر ہے لہٰذا وتر میں دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہئے، ہم نے ان احادیث کو دیکھا ہے ان کا تعلق وتر کے قنوت سے نہیں ہے بلکہ قنوتِ نازلہ سے ہے جو فجر کی نماز میں جہراً پڑھی جاتی ہے، حکیم صاحب نے قنوتِ نازلہ والی احادیث کو قنوتِ وتر سے متعلق کر کے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دھوکے سے کام لیا ہے اور یحرفون الکلم عن مواضعه کا پورا پورا ثبوت دیا ہے، دوسرے انہوں نے مسلم شریف کی شرح نووی کے ایک باب کا تذکرہ کر کے اس سے بھی یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ وتر میں دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہیئے چنانچہ لکھتے ہیں

"امام نووی شارح مسلم، باب استحباب القنوت میں فرماتے ہیں

"ومحل القنوت بعد رفع الراس فی الرکوع فی الرکعة الاخیرة "اور قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے۔ (صحیح مسلم) منه"[1]

اس حوالہ میں حکیم صاحب نے یہ خیانت کی ہے کہ اس کے شروع کا وہ سارا حصہ چھوڑ دیا ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اس کا تعلق قنوتِ نازلہ سے ہے نہ کہ قنوت وتر سے، شرح مسلم سے ہم وہ پورا باب نقل کرتے ہیں تا کہ قارئین کے سامنے حکیم صاحب کی خیانت کھل کر آسکے،

علامہ نووی لکھتے ہیں۔

"باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات اذا نزلت

---

[1] صلوۃ الرسول صفحہ ۳۶۰ حاشیہ

بالمسلمین نازلة والعیاذ باللہ واستحبابه فی الصبح دائما و بیان ان محله بعد رفع الرأس من الرکوع فی الرکعة الاخیرة واستحباب الجهر به"۔[1]

نواب وحید الزماں صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"باب، جب مسلمانوں پر کوئی بلا نازل ہو تو نمازوں میں بلند آواز سے قنوت پڑھنا اور اللہ کے ساتھ پناہ مانگنا مستحب ہے اور اس کا محل ومقام آخری رکعت کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے اور صبح کی نماز میں قنوت پر دوام مستحب ہے"[2]

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس باب کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے نہ کہ قنوت وتر سے لیکن چونکہ اس سے صادق سیالکوٹی صاحب کے موقف پر زد پڑتی ہے اس لئے انہوں نے اس کو پورا ذکر نہیں کیا۔

(۲۹) مسافت قصر اڑتالیس میل ہے

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج اصفحہ ۱۴۷ پر ایک باب اس طرح قائم فرمایا ہے "باب" فی کم تقصر الصلوة وسمی النبی صلی اللہ علیه وسلم السفر یوما ولیلة وکان ابن عمرو ابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وهو ستة عشر فرسخا"

کتنی مسافت میں قصر کرنا چاہئے اور آنحضرت ﷺ نے ایک دن رات کی مسافت کو بھی سفر فرمایا، اور ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ چار برید کے سفر میں قصر اور افطار کرتے چار برید کے سولہ فرسخ یعنی ۴۸ میل ہوتے ہیں (ترجمہ علامہ وحید الزماں)

امام بخاریؒ کے اس قائم کردہ باب سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسافت قصر اڑتالیس میل ہے کیونکہ چار بُرُد کے سولہ فرسخ ہوتے ہیں اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے سولہ کو تین میں ضرب دیں تو اڑتالیس ہوتا ہے

لیکن امام بخاریؒ کے اس قائم کردہ باب کے خلاف غیر مقلدین میں سے کچھ

---

[1] مسلم ج اصفحہ ۲۳۷ ۔ [2] مسلم مترجم ج ۲ صفحہ ۲۰۱

حضرات تو مسافتِ قصر کی سرے سے کوئی حد ہی نہیں مانتے کچھ کہتے ہیں کہ نو میل مسافتِ قصر ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ تین میل ہے

چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''صحیح اور مختار مذہب اہل حدیث کا ہے کہ ہر سفر میں قصر کرنا چاہئے جس کو عرف میں سفر کہیں اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے''[۱]

مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں

''مسافر اس کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل کر کسی دوسری بستی کو جائے اس کی کم سے کم حد بحکم حدیث شریف تین میل ہے''[۲]

جماعت غرباء اہل حدیث کے مفتی عبد الستار لکھتے ہیں

''نماز قصر تین یا نو میل پر کر سکتا ہے''[۳]

مولانا اسماعیل سلفی صاحب رقمطراز ہیں

''لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ نو میل پر قصر درست ہے''[۴]

(۳۰) مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مسنون نہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۵۷ پر ایک باب باندھا ہے "باب الصلوة قبل المغرب" مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا بیان، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے درج ذیل دو حدیثیں ذکر کی ہیں

(۱) عن عبد الله بن بريدة قال حدثني عبد الله المزني عن النبي صلى الله عليه وسلم :قال :"صلوا قبل صلوٰة المغرب قال في الثالثة لمن شاء كراهية ان يتخذ ها الناس سنة"

حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حدیث نقل کی کہ آپ نے فرمایا مغرب سے پہلے نماز پڑھو، تیسری بار آپ نے فرمایا جو چاہے (وہ پڑھ لے) اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت بنالیں۔

---

[۱] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۱۳۶، [۲] فتاویٰ ثنائیہ ج ا صفحہ ۶۳، [۳] فتاویٰ ستاریہ ج ۳ صفحہ ۵۷، [۴] رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۶

(۲) عن مرثد بن عبد الله الیزنی "قال اتیت عقبة بن عامر الجھنی فقلت الا اعجبك من ابی تمیم یرکع رکعتین قبل صلوٰة المغرب فقال عقبة انا کنا نفعله علی عھد رسول الله صلی الله علیه وسلم قلت فما یمنعك الآن قال الشغل" [۱]

حضرت مرثد بن عبداللہ یزنیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے عرض کیا میں آپ کو ابو تمیم کی تعجب انگیز بات سناؤں؟ وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دورِ رسالت میں ہم بھی پڑھا کرتے تھے. میں نے عرض کیا کے اب کیا رکاوٹ پیش آ گئی؟ فرمایا مصروفیت ۔

بخاری شریف کی مذکورہ دونوں احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنا مسنون نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں سنت سمجھ کر پڑھنے کو مکروہ جانا ہے جیسا کہ پہلی حدیث سے صاف ظاہر ہے دوسری بات یہ ہے کہ ابتداءً صحابہ کرام نے یہ نفل پڑھے ہیں لیکن بعد میں یہ بالکل متروک ہو گئے جیسا کہ دوسری حدیث سے واضح ہے اس سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ نفل سنت نہیں ہیں ورنہ صحابہ کرام سے بعید ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی سنت کو دنیاوی مصروفیت کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

لیکن بخاری شریف کی ان دونوں حدیثوں کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک مغرب کی نماز سے پہلے دو نفل پڑھنا سنت ہے صرف یہی نہیں بلکہ ان دو رکعتوں کو سنت نہ سمجھنے والا ظالم اور بدعتی ہے، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں

"قبل نماز مغرب دو رکعت سنت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کو اذان اور اقامت کے درمیان پڑھنا چاہئے........ مغرب کی اذان ختم ہونے کے ساتھ ہی بلا وقفہ درود پڑھنا چاہئے، اللّٰھم رب ھذہ الدعوت التامة" آخر تک پڑھنا چاہئے پھر سنت

[۱] بخاری ج ۱ صفحہ ۱۵۸

شروع کرنی چاہئے اور مغرب کی سنتیں فجر کی سنت کی طرح ہلکی
پڑھنی چاہئے''[1]

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب رقمطراز ہیں
''مغرب کے پہلے سنتیں پڑھنے والے کو کوئی روکے یا اس کو سنت نہ
سمجھے وہ ظالم اور بدعتی ہے''[2]

(۳۱) حضرت عائشہؓ کی آٹھ رکعات والی حدیث اور غیر مقلدین کا اس پر عمل:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۵۴ پر ایک باب قائم فرمایا ہے
"باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ" آنحضرت ﷺ کا رمضان اور غیر رمضان میں رات کو نماز پڑھنا، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه اخبره انه سأل عائشة کیف کانت صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلثا قالت عائشة	حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز رمضان المبارک میں کیسی ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے آپ چار رکعت پڑھتے نہ پوچھ کہ وہ کیسی حسین اور کتنی دراز ہوتیں تھیں پھر آپ چار رکعت پڑھتے نہ پوچھ کہ وہ کیسی حسین اور کتنی دراز ہوتیں تھیں پھر آپ تین رکعات ادا فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

[1] فتاویٰ علماء حدیث ج ۴ صفحہ ۲۳۲ [2] فتاویٰ علماء حدیث ج ۴ صفحہ ۲۳۵

فقلتُ یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشہ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ"

فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

غیر مقلدین حضرات، تراویح آٹھ رکعت سنت ثابت کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث بڑے شدومد سے پیش کرتے ہیں اور بیس رکعت تراویح کی تمام احادیث وآثار کو اس کے مخالف بتلا کر رد کر دیتے ہیں، اول تو اس حدیث کا تعلق تہجد سے ہے تراویح سے نہیں جس کے بہت سے دلائل ہیں[1] دوسرے بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین خود اس حدیث پر عمل نہیں کرتے عمل کرنا تو دور رہا وہ اس حدیث کی سراسر مخالفت کرتے ہیں کیونکہ

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز چار چار رکعت کر کے پڑھتے تھے، لیکن غیر مقلدین دو دو رکعت کر کے پڑھتے ہیں۔

(۲) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز اکیلے پڑھتے تھے کیونکہ اس حدیث میں آپ کے نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے پڑھانے کا نہیں، لیکن غیر مقلدین سارے رمضان یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز گھر میں پڑھتے تھے کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا، یہ سوال وجواب ظاہر ہے کہ گھر ہی کی بات ہے کیونکہ حضور آپ گھر ہی میں سوتے تھے، لیکن غیر مقلدین حضرات سارے رمضان یہ نماز گھر کے بجائے مسجد میں پڑھتے ہیں۔

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز پڑھ کر سوجاتے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیے راقم کی کتاب حدیث اور اہل حدیث صفحہ ۶۷۰

تھے اور سو کر اٹھ کر وتر ادا فرماتے تھے لیکن غیر مقلدین حضرات تراویح کے فوراً بعد سونے سے پہلے ہی وتر ادا کر لیتے ہیں

(۵) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر اکیلے ادا فرماتے تھے لیکن غیر مقلدین حضرات وتر جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۶) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے سال وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین اکثر ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں اور جب کبھی تین پڑھتے بھی ہیں تو دو سلاموں سے پڑھتے ہیں۔

(۳۲) امام بخاریؒ کے نزدیک نماز جنازہ میں امام کو مرد وعورت دونوں کی کمر کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہئے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۷۷ پر ایک باب باندھا ہے "باب این یقوم من المراۃ و الرجل" امام عورت کی نماز جنازہ پڑھائے تو کہاں کھڑا ہو اور مرد کی پڑھائے تو کہاں کھڑا ہو، اس باب کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

"ولھذا اورد المصنف الترجمة مورد السوال واراد عدم التفرقة بين الرجل والمرأة"[1]

اسی لئے مصنف علیہ الرحمہ نے ترجمۃ الباب (یعنی مذکورہ عنوان) بصورت سوال ذکر کیا ہے اور یہ بتلانا چاہا ہے کہ اس مسئلہ میں مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

علامہ وحید الزماں صاحب بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں

"امام بخاری کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کی کمر کے مقابل امام کھڑا ہو"[2]

علامہ ابن حجرؒ اور علامہ وحید الزماں صاحب کی تحریرات سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے چاہے جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا بہر صورت امام میت کی کمر کے مقابل کھڑا ہوگا

---

[1] فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۰۱۔ [2] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۲۹۲۔

لیکن امام بخاریؒ کے موقف کے خلاف غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے اگر جنازہ مرد کا ہے تو امام سر کے مقابل کھڑا ہوگا اور اگر عورت کا ہے تو کمر کے مقابل، چنانچہ علامہ وحید الزماں اپنا موقف تحریر فرماتے ہیں

''مسنون یہی ہے کہ امام عورت کی کمر کے مقابل کھڑا ہو اور مرد کے سر کے مقابل''[1]

فتاویٰ علماء حدیث میں ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے

''اگر میت مرد ہے تو امام اس کے سر کے مقابلہ میں کھڑا ہو اور اگر عورت ہے تو اس کی کمر کے مقابلہ میں کھڑا ہو''[2]

کچھ آگے چل کر درج ہے

''میت اگر مرد ہے تو اس کے سر کے مقابلہ میں کھڑا ہونا مستحب ہے اگر میت عورت ہے تو اس کے درمیان کے مقابلہ میں کھڑا ہونا سنت ہے''[3]

(۳۳) مردے سنتے ہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۷۸ پر ایک باب اس طرح قائم کیا ہے "باب المیت یسمع خفق النعال "مردہ لوٹ کر جانے والوں کے قدموں کی آواز سنتا ہے، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث شریف ذکر کی ہے

"عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العبد اذا وضع فی قبرہ وتُوُلّیٰ وذھب اصحابہ حتی انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فاقعداہ فیقولان لہ ما کنت تقول فی ھذا الرجل	حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب آدمی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ موڑ کر چل دیتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز تک سنتا ہے اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھاتے ہیں

[1] تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۲۹۱، [2] فتاویٰ علماء حدیث ج ۵ صفحہ ۲۰۹، [3] فتاویٰ علماء حدیث ج ۵ صفحہ ۲۱۲

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) الحدیث پوچھتے ہیں تو ان صاحب محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

اس حدیث شریف کی تشریح میں علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''مترجم کہتا ہے اس حدیث سے بھی سماع موتی ثابت ہوتا ہے جو اہل حدیث کا مذہب ہے''[1]

لیکن موجودہ دور کے غیر مقلدین حضرات سماع موتی کے شدید مخالف ہیں چنانچہ ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رقمطراز ہیں

''سماع موتی کا مسئلہ عذاب قبر یا روح کی حقیقت کی طرح محض ایک تحقیق مسئلہ ہی نہیں بلکہ شرک کا سب سے بڑا چور دروازہ ہے، لہٰذا قرآن مجید نے سماع موتی کے تمام امکانی پہلوؤں کو پوری قوت سے ختم کر دیا ہے''[2]

ایک غیر مقلد عالم پروفیسر عبداللہ بہاولپوری صاحب نے 'مسئلہ سماع موتی'' کے نام سے ایک رسالہ سوال و جواب کی شکل میں لکھا ہے وہ اس سوال کے جواب میں کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ رقمطراز ہیں

''ارے بھئی یہ بھی کوئی مسئلہ ہے یہ تو مشاہدے کی بات ہے آپ کسی مردے سے بات کر کے دیکھ لیں آپ کو معلوم ہو جائے گا سنتا ہے یا نہیں وہ مردہ ہی کیا ہوگا جو سنے، سننا تو زندوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا جو مر جاتا ہے وہ اس جہان سے چلا جاتا ہے اور برزخ میں پہونچ جاتا ہے اس جہان یعنی دنیا کے اعتبار سے وہ مردہ ہے نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے''[3]

---

[1] تیسیر الباری ج۲ صفحہ ۲۹۵ [2] روح عذاب قبر اور سماع موتی صفحہ ۴۲ [3] مسئلہ سماع موتی مشمول انتخاب رسائل بہاولپوری صفحہ ۳۴،

(۳۴) امام بخاریؒ کا قول مختار یہ ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جنتی ہیں:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۱۸۵ پر ایک باب باندھا ہے "باب ما قیل فی اولاد المشرکین "مشرکین کی نابالغ اولاد کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا بیان، اس باب کے تحت علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں

"هذه الترجمة تشعر ایضا بانه کان متوقفا فی ذالک، وقد جزم بعد هذا فی تفسیر سورة الروم بما یدل علی اختیار القول الصائر الی انهم فی الجنة کما سیأتی تحریره"[1]

اس ترجمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اس سلسلہ میں متوقف ہیں لیکن آپ نے اس کے بعد سورۂ روم کی تفسیر میں جو پختہ طور پر بات کی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے نزدیک مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جنتی ہیں چنانچہ آپ کی تحریر آگے آرہی ہے

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاریؒ کا قول مختار یہی ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جنتی ہیں چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"مومنین کی اولاد تو بہشتی ہے لیکن کافروں کی اولاد میں جو نابالغی کی حالت میں مرجائیں بہت اختلاف ہے امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ وہ بہشتی ہیں کیونکہ بغیر گناہ کے عذاب نہیں ہوسکتا اور وہ معصوم مرے ہیں"[2]

مزید لکھتے ہیں

"اس حدیث سے امام بخاریؒ نے اپنا مذہب ثابت کیا کہ جب ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے تو اگر وہ بچپنے ہی میں مرجائے تو

---

۱ فتح الباری ۳ صفحہ ۲۴۶ ۔ ۲ تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۳۳۰

اسلام پر مرے گا اور جب اسلام پر مرے گا تو بہشتی ہوگا"[۱]

لیکن امام بخاریؒ کے مسلک وموقف کے خلاف غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ یا توانھیں دوزخی کہا جائے یا توقف کیا جائے چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب "باب اذا اسلم الصبی فمات" کے تحت حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ جب بچہ کفر پر مرے تو وہ بھی اپنے کافر ماں باپ کے ساتھ دوزخی بنے گا"[۲]

نواب صدیق حسن خان صاحب کا موقف اس سلسلہ میں توقف کا ہے چنانچہ آپ نے مسلم شریف کی شرح "السراج الوھاج" میں بار بار اس نظریہ کا اظہار فرمایا ہے دیکھئے السراج الوھاج ج دوم صفحہ ۶۱۲

(۳۵) امام بخاریؒ کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۲۰۶ پر ایک باب اس طرح باندھا ہے "بابُ فرضِ مواقیت الحج والعمرۃ" حج اور عمرہ کی میقاتوں کا بیان اس باب کے تحت علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں

"وھو ظاھر نص المصنف وانہ لایجیز الاحرام بالحج والعمرۃ من قبل المیقات"[۳]

مصنف علیہ الرحمہ کی نص سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور نیز یہ بھی کہ مصنف کے نزدیک حج یا عمرہ کا احرام باندھنا میقات سے پہلے جائز نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک میقات سے پہلے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"شاید امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا درست نہیں ہے"[۴]

---

۱ تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۳۳۱ ۔ ۲ تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۳۱۰ ۔ ۳ فتح الباری ج ۳ صفحہ ۳۸۴ ۔ ۴ تیسیر الباری ج ۲ صفحہ ۳۰۹

لیکن غیر مقلدین کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے
چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں

"ویجوز الاحرام بالحج بما فوق المیقات ابعد من مکة سواء دویرة اھلہ وغیرھا، ومن المیقات افضل" [1]

اور جائز ہے حج کا احرام باندھنا میقات سے پہلے بھی مکہ سے دور بہت دور خواہ گھر سے باندھے یا کسی اور جگہ سے تاہم خاص میقات سے باندھنا افضل ہے۔

(۳۶) حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۲۴۸ پر ایک باب قائم فرمایا ہے "باب تزویج المحرم" مُحرم کے نکاح کرنے کے بیان میں، اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث درج کی ہے

"عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجَ میمونة وھو محرم""

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونة رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس حال میں کہ آپ مُحرِم تھے

آگے چل کر کتاب النکاح میں امام بخاریؒ نے اس عنوان سے ایک باب باندھا ہے "بابُ نکاحِ المحرم" مُحرم کے نکاح کرنے کے بیان میں، اس باب میں امام بخاریؒ نے درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے

انبأنا ابن عباس :تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم" [2]

جابر بن زید کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی علیہ الصلوٰة والسلام نے شادی کی دراں حالیکہ آپ محرم تھے۔

---

[1] السراج الوہاج ج ا صفحہ ۳۰۵۔ [2] دیکھئے بخاری ج ۲ صفحہ ۷۶۶

امام بخاریؒ کے قائم کردہ دونوں ابواب اور آپ کی ذکر کردہ دونوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محرم کے لئے حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے، امام بخاریؒ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے نزدیک بھی حالتِ احرام میں نکاح جائز ہے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ دوسرے باب کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں

"کانه یحتج الی الجواز لانه لم یذکر فی الباب شیأ غیر حدیث ابن عباس فی ذالك ولم یخرج حدیث المنع کانه لم یصح عنده علی شرطه"[1]

یوں لگتا ہے کہ امام بخاریؒ (اس حدیث کو ذکر کر کے نکاحِ محرم کے) جواز پر استدلال کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اس باب میں نکاحِ محرم کے سلسلہ میں سوائے ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث کے اور کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور انہوں نے نکاحِ محرم کے منع کی حدیث کی بھی تخریج نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ منع کی حدیث اُن کے نزدیک اُن کی شرط کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"شاید اس مسئلے میں امام بخاریؒ امام ابوحنیفہؒ اور اہل کوفہ سے متفق ہیں کہ محرم کو عقد کرنا درست ہے"[2]

لیکن ان صاف وصریح احادیث اور امام بخاریؒ کے موقف کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا جائز نہیں، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں

"وهو قول الجمهور وهو الراجح عندی"[3]

یہی جمہور کا قول ہے اور میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے (کہ محرم کا نکاح درست نہیں)

نواب صدیق حسن خان صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب نے بھی اسی نظریہ

---

[1] فتح الباری ج ۹ صفحہ ۱۶۵۔ [2] تیسیر الباری ج ۳ صفحہ ۳۲۔ [3] تحفۃ الاحوذی ج ۲ صفحہ ۸۸

کی تائید کی ہے دیکھئے السراج الوھاج ۲، عون المعبود ج ۲

(۳۷) حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح و رخصتی:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ا صفحہ ۵۵۱ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح چھ سال اور بوقت رخصتی نو سال بتلائی ہے اس سلسلہ میں آپ نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں

(۱) عن عائشة قالت تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم وانا بنتُ ستِ سنين الحديث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مجھ سے نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال تھی۔

(۲) عن هشام عن ابيه قال توفيت خديجة قبل مخرج النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة بثلث سنين فلبث سنتين اوقريبا من ذالك ونكح عائشة وهي بنت ستِ سنين ثم بنىٰ بهاوهي بِنت تسع سنين"

حضرت ہشامؒ اپنے والد حضرت عروہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے سے تین سال قبل حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی پھر آپ دو سال یا اس کے قریب قریب رکے رہے، پھر آپ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر چھ برس تھی اور رخصتی اس وقت ہوئی جبکہ ان کی عمر نو برس تھی

بخاری شریف کی ان دونوں احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح چھ سال اور بوقت رخصتی نو سال تھی لیکن بخاری شریف کی ان دونوں حدیثوں کے خلاف غیر مقلدین کے بے نظیر محقق حکیم فیض عالم صدیقی کے ریمارکس کیا ہیں ملاحظہ فرمائیں

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں

"اب ایک طرف بخاری کی ۹ سال والی روایت ہے اور دوسری طرف اتنے قوی شواہد وحقائق ہیں اس سے صاف نظر آتا ہے کہ

۹ سال والی روایت ایک موضوع قول ہے جسے ہم منسوب الی الصحابہؓ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور اس منسوب الی الصحابہؓ قول نے وہ شہرت پکڑی کہ آج اچھے بھلے مدعیان علم وفضل کے سامنے جب صحیح تصریح پیش کی جائیں تو اُن کا جواب ہوتا ہے کہ تم احساس کہتری کا شکار ہو''[1]

مزید لکھتے ہیں

''بات طویل ہوتی جارہی ہے مگر اس کی طوالت سے گھبرا کر ان حقائق کی وضاحت سے انحراف ایک بہت بڑی دینی خیانت ہے، سطحی نظر والے ذرا اس بات پر غور کریں کہ جب کوئی انھیں کہے کہ تمہاری ماں کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ایسی حالت میں ہوئی تھی جب وہ طویل بیماری سے چند دن ہوئے کہ صحت یاب ہوئی تھی اور ابھی پورے طور پر اس کے سر پر بال بھی نہیں اُگے تھے تو اس وقت ان ذات شریف کا کیا حال ہوگا اور جب اسی واقعہ کی تشہیر شروع کردی جائے تو فرمایئے پھر وہ صاحب کیا کسی کے سامنے منہ دکھانے کے لائق رہ سکیں گے مگر یہ سب کچھ خاتم المعصومین کی ذات اقدس کے لئے روا آپ کی زوجہ مطہرہؓ کے لئے باعث فخر یا للعجب''[2]

(۳۸) غزوہ خندق امام بخاریؒ کے نزدیک ۴ھ میں ہوا:

حضرت امام بخاریؒ بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۵۸۸ پر ''بابُ غزوہ الخندق'' کے تحت موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل فرماتے ہیں

''قال موسیٰ بن عقبة کانت فی شوال سنة اربع'' موسیٰ بن عقبہ کا کہنا ہے کہ غزوہ خندق شوال سن چار ھجری میں ہوا تھا۔

[1] صدیقہ کائنات صفحہ ۸۰۔ [2] صدیقہ کائنات صفحہ ۸۲

امام بخاریؒ نے اس قول کو درج فرما کر اس کی تردید یا تغلیط نہیں کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ غزوۂ خندق ماہِ شوال سن چار ھجری میں ہوا تھا لیکن امام بخاریؒ کے اس موقف کے خلاف تقریباً سب غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے کہ غزوہ خندق سنہ پانچ ھجری میں ہوا تھا چنانچہ غیر مقلدین کے انعام یافتہ سیرت نگار صفی الرحمن مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں

"وکانت غزوۃ الخندق سنۃ خمسٍ من الھجرۃ فی شوال علیٰ اصح القولین" [۱] ....

غزوہ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال ۵ ھ میں پیش آیا تھا۔

(۳۹) واقعہء افک سے متعلق حدیث:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۵۹۳ پر بابُ حَدِیْثِ الْاِفْکِ کے تحت اور صفحہ ۶۹۶ پر آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ کی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی واقعہ افک سے متعلق طویل ترین حدیث ذکر فرمائی ہے طوالت کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا جو چاہے بخاری شریف کے مذکورہ صفحات پر دیکھ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بخاری شریف کے علاوہ تقریباً تمام کتب تفسیر و حدیث میں موجود ہے لیکن غیر مقلدین کے بے نظیر محقق حکیم فیض عالم اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کا ہرگز نہیں ہو سکتا، چونکہ یہ واقعہ تمام مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس لئے حکیم صاحب نے اُن سب کے خلاف عموماً اور امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف خصوصاً دل کی بھڑاس نکالی ہے

قارئین حکیم صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمائیں

"ان محدثین، ان شارحین حدیث، ان سیرت نویس اور ان مفسرین کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اتنی بات کا تجزیہ یا تحقیق کرنے سے بھی عاری تھے کہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے

---

[۱] الرحیق المختوم عربی صفحہ ۲۵۱ اردو صفحہ ۴۲۴

لیکن اس دینی و تحقیقی جرأت کے فقدان نے ہزاروں المیے پیدا کئے اور پیدا ہوتے رہیں گے، ہمارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرما دیا وہ صحیح اور لاریب ہے خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، انبیاء کرام کی عصمت، ازواج مطہرات کی طہارت کی فضائے بسیط میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں کیا یہ امام بخاری کی اسی طرح تقلید جامد نہیں جس طرح مقلدین ائمہ اربعہ کی کرتے ہیں"[1]

آگے لکھتے ہیں

"دراصل امام بخاریؒ میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں، داستان گو کی چابک دستی کے سامنے امام بخاریؒ کی احادیث کے متعلق تمام چھان بین دھری کی دھری رہ گئی"[2]

حضرت امام بخاریؒ نے یہ روایت جن راویان حدیث سے لی ہے اُن میں سے ایک راوی کے متعلق بھی حکیم صاحب کے ارشادات سنتے چلیں

حکیم صاحب لکھتے ہیں

"ابن شہاب منافقین و کذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے، اکثر گمراہ کن، خبیث اور مکذوبہ روایتیں انھیں کی طرف منسوب ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کے متعلق کہ اُن کا نام عبد العزیٰ رکھا گیا اس کے خالق بھی یہی ذات شریف تھے"[3]

(۴۰) امام بخاریؒ کے نزدیک قلیل و کثیر رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۷۶۴ پر ایک باب اس طرح

[1] صدیقہ کائنات صفحہ ۱۰۵ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۶ ۔ [3] صدیقہ کائنات صفحہ ۱۰۷

باندھا ہے "باب من قال لارضاع بعد حولین لقوله تعالیٰ حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وما یحرم من قلیل الرضاع وکثیرہ" اس شخص کی دلیل کے بیان میں جو کہتا ہے کہ دو برس کے بعد پھر رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (اور بچے والی عورتیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو) دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور رضاعت قلیل ہو یا کثیر اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اس باب سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک بچہ تھوڑا دودھ پیئے یا زیادہ اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے بچہ کا تین بار چوسنا یا پانچ بار چوسنا شرط نہیں، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں

"هذا مصير منه الى التمسك بالعموم الوارد فى الاخبار مثل حديث الباب وغيره وهذا قول مالك وابى حنيفة" [1]

امام بخاریؒ نے (قلیل وکثیر رضاعت سے حرمت کے ثابت کرنے میں) اُس عموم سے تمسک کیا ہے جو احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے مثلاً خود ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاریؒ نے جو حدیث ذکر کی ہے اُس سے اور اُس کے علاوہ دیگر احادیث سے، اور یہی حضرت امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام بخاریؒ کے موقف اور اُن کی ذکر کردہ حدیث کے خلاف غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے کہ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لئے کم از کم پانچ بار چوسنا ضروری ہے چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں

"امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد اور اسحٰق اور ابن حزم اور اہل حدیث کا مذہب یہ

---

[1] فتح الباری ج ۹ صفحہ ۱۴۶

ہے کہ کم سے کم پانچ بار دودھ چوسنا حرمت کے لئے ضروری ہے“[1]

(۴۱) امام بخاریؒ کے نزدیک قرآن شریف ختم کرنے کی مدت متعین نہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۷۵۵ پر ایک باب اس طرح قائم فرمایا ہے ”باب“ فی کم یقرأ القرآن “ اس بات کا بیان کہ قرآن پاک کتنے دن میں ختم کرنا چاہئے، اس باب کی تشریح میں علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

”امام بخاریؒ نے اس باب سے یہ ثابت کیا کہ اس کے لئے کوئی خاص میعاد مقرر نہیں ہے“[2]

یعنی امام بخاریؒ کے نزدیک قرآن پاک ختم کرنے کے لئے وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے انسان کو اختیار ہے چاہے جتنی مدت میں ختم کرے حضرت امام بخاریؒ کا معمول رمضان المبارک میں یہ تھا کہ آپ ہر روز دن میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں

”کان محمد بن اسماعیل البخاری اذا کان اول لیلة من شهر رمضان یجتمع الیه اصحابه فیصلی بهم ویقرأ فی کل رکعة عشرین آیة وکذالک الی ان یختم القرآن وکان یقرأ فی السحر مابین النصف الی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی

رمضان کی چاند رات حضرت امام بخاریؒ کے یہاں ان کے شاگرد واصحاب اکٹھے ہوجاتے آپ انھیں نماز تراویح پڑھاتے، ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ چلتا رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے ہر روز ایک دن میں

---

[2] تیسیر الباری ج ۷ صفحہ ۳۲ [3] تیسیر الباری ج ۶ صفحہ ۵۴۰

کل ثلاث لیال وکان یختم	ایک قرآن ختم کرتے اور آپ کا یہ ختم افطار
بالنهار فی کل یوم ختمة ویکون	کے وقت ہوتا اور آپ فرماتے کہ ختم قرآن
ختمه عند الافطار کل لیلة	کے موقع پر دعاء قبول ہوتی ہے۔
ویقول عند کل ختمة دعوة	
مستجابة''[1]	

علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''محمد بن اسماعیل بخاری جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے وہ نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن کو ختم کرتے پھر سحر کو نصف سے لیکر تہائی قرآن پڑھتے اور تین راتوں میں ختم کرتے اور دن کو ایک ختم کرتے اور افطار کے وقت ختم ہوتا اور کہتے تھے کہ ہر ایک ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے''[2]

لیکن غیر مقلدین حضرت امام بخاریؒ کے موقف و مسلک اور اُن کے عمل کیخلاف کہتے ہیں کہ قرآن پاک کم از کم تین دن میں ختم کرنا چاہئے اس سے کم میں ختم کرنا مکروہ ہے

چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''عمدہ یہ ہے کہ قرآن سمجھ کر آہستگی کے ساتھ چالیس دن میں ختم کیا جائے حد سات روز میں انتہا تین روز میں، اس سے کم میں ختم کرنا ہمارے شیخ اہل حدیث نے مکروہ جانا ہے اور ادب و تعظیم کے بھی خلاف ہے''[3]

مزید فرماتے ہیں

''اور اہل حدیث نے تین دن سے جلد میں قرآن کا ختم کرنا مکروہ رکھا ہے''[4]

---

[1] ہدی الساری مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۱۔ [2] تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۱۱۔ [3] ایضاً ج ۳ صفحہ ۱۳۱ [4] ایضاً ج ۶ صفحہ ۵۳۵

(۳۲)امام بخاریؒ کے نزدیک حائضہ عورت کو دیجانے والی طلاق واقع ہوجاتی ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۷۹۰ پر ایک باب قائم کیا ہے "باب" اِذَا طُلِّقَتِ الْحَائِضُ یُعْتَدُّ بِذَالِکَ الطَّلَاقِ" اگر حائضہ عورت کو طلاق دیدی جائے تو وہ طلاق شمار کی جائے گی، اس باب کے تحت حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کے آخر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"حُسِبَتْ عَلَیَّ بتطلیقۃٍ" (جو طلاق میں نے حیض میں دی تھی) وہ مجھ پر شمار کی گئی

اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک حالتِ حیض میں دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور وہ باقاعدہ ایک طلاق شمار کی جاتی ہے ائمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام بخاریؒ اور ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ حالتِ حیض میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب بخاری شریف کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء تو اس طرف گئے ہیں کہ شمار ہوگا اور ظاہر یہ اور اہل حدیث اور امامیہ اور ہمارے مشائخ میں سے امام ابن تیمیہ ابن قیم، ابن حزم علیھم الرحمۃ اور محمد باقر اور جعفر صادق اور ناصر علیھم السلام اہل بیت کا یہ قول ہے کہ اس طلاق کا شمار نہ ہوگا اس لئے کہ یہ بدعی اور حرام تھا شوکانی اور محققین اہل حدیث نے اسی کو ترجیح دی ہے"[1]

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں

"اور اہل حدیث کے نزدیک تو حیض کی حالت میں طلاق دینا لغو

---

[1] تیسیر الباری ج ۷ صفحہ ۱۶۴

ہے طلاق نہ پڑے گا جیسے اوپر گذر چکا ہے''[1]

(۴۳) امام بخاریؒ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۷۹۱ پر ایک باب قائم فرمایا ہے "بَابُ مَنْ اَجَازَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ لِقَولِ اللّٰہ تعالیٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ "یعنی اگر کسی نے تین طلاقیں دیدیں تو جس نے کہا کہ تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا طلاقیں دو ہیں اس کے بعد یا دستور کے موافق عورت کو رکھ لینا چاہئے یا اچھی طرح رخصت کر دینا چاہئے۔

حضرت امام بخاریؒ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں چاہے اکٹھی ایک دفعہ دی جائیں یا متفرق طور پر علیحدہ علیحدہ کیونکہ امام بخاریؒ نے باب میں تین کو مطلق بیان فرمایا ہے بغیر کسی تفصیل کے اگر اُن کے نزدیک کوئی فرق ہوتا تو وہ ضرور دو باب الگ الگ قائم فرماتے چنانچہ علامہ ابن حجرؒ اس باب کے تحت تحریر فرماتے ہیں

"والذی یظھرلی انہ کان اراد بالترجمۃ مطلق وجود الثلاث مفرقۃً کانت او مجموعۃ"۔[2]

مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے جو ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے اُس سے اُن کی مراد یہی ہے کہ تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں خواہ اکٹھی دیجائیں یا متفرق طور پر۔

اس باب کے تحت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج فرمائی ہے

"عن عائشۃ ان رجلاً طلق امرأتہ ثلثا فتزوجت فطلّق فسئل النبی

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس نے کسی اور مرد سے نکاح کر لیا اس

---

[1] تیسیر الباری ج ۷ صفحہ ۲۳۵۔ [2] فتح الباری ج ۹ صفحہ ۳۶۵

صلی اللہ علیہ وسلم اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ؟ قال لاحتی یذوق عسیلتھا کماذاق الاولُ"

دوسرے مرد نے بھی اسے طلاق دے دی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یہ عورت اپنے خاوند کے لئے حلال ہوگئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے ہمبستری نہ کرلے جیسا کہ پہلے نے کی تھی۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ بخاری شریف کے صفحہ ۷۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں

"قال اھل العلم اذا طلق ثلثا فقد حرمت علیہ ......وقال اللیث عن نافع کان ابن عمر اذا سُئِل عمن طلق ثلثا قال لو طلقت مرۃً اومرتین فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَنِیْ بھذا فان طلقھا ثلثا حرمت علیہ حتی تنکح زوجا غیرہ

اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تو وہ یقیناً اس پر حرام ہوگئی.........امام لیث حضرت نافع سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو آپ فرماتے کہ اگر تم ایک یا دو طلاقیں دیتے تو تمہیں رجوع کا حق حاصل تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی کا حکم دیا تھا لہٰذا اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے،

حضرت امام بخاریؒ نے جو اہل علم کا قول اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی تعلیق ذکر فرمائی ہے اس سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں لیکن امام بخاریؒ کے مسلک و موقف اور ان کی ذکر کردہ احادیث و آثار کے خلاف

غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ غیر مقلدین نے اپنے اس موقف پر متعدد کتابیں لکھی ہیں اور تقریباً ان کے فتاوی میں سے ہر ایک میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ عیاں را چہ بیاں

(۴۴) امام بخاریؒ کے نزدیک غیر مسلم میاں بیوی میں سے اگر پہلے بیوی مسلمان ہو گئی تو اس کے مسلمان ہوتے ہی تفریق کر دی جائے گی

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۷۹۶ پر ایک باب باندھا ہے "بابُ اذا اسلمت المشرکة او النصرانية تحت الذمی او الحربی" اگر کوئی مشرکہ یا نصرانیہ عورت جو کسی ذمی یا حربی کافر کے نکاح میں ہو اور مسلمان ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

علامہ ابن حجرؒ اس باب کے تحت تحریر فرماتے ہیں

"والمراد بالترجمة بيان حكم اسلام المرأة قبل زوجها هل تقع الفرقة بينهما بمجرد اسلامها او يثبت لها الخيار او يوقف في العدة فان اسلم استمر النكاح والا وقعت الفرقة بينهما وفيه خلاف مشهور وتفاصيل يطول شرحها وميل البخاري الى ان الفرقة تقع بمجرد الاسلام" [۱]

اس ترجمۃ الباب سے مراد یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ اگر بیوی شوہر کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا محض عورت کے مسلمان ہونے سے دونوں میں فرقت واقع ہو جائے گی یا بیوی کو خیار ملے گا یا عدت تک توقف کیا جائے گا کہ اگر اس کا شوہر مسلمان ہو جائے تو دونوں کا نکاح باقی رہے ورنہ دونوں میں فرقت واقع ہو جائے اس میں خلاف مشہور ہے البتہ امام بخاریؒ کا میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ محض عورت کے مسلمان ہونے ہی سے دونوں میں فرقت واقع ہو جائے گی۔

---

[۱] فتح الباری ج ۹ صفحہ ۴۲۰

اس سے معلوم ہوا کہ اگر میاں بیوی پہلے مسلمان نہ تھے اب ان میں سے بیوی پہلے مسلمان ہوگئی تو امام بخاریؒ کے نزدیک اسلام قبول کرتے ہی دونوں کے درمیان فرقت ہوجائے گی لیکن غیر مقلدین حضرات کا امام بخاریؒ کے نظریہ کے خلاف یہ کہنا ہے کہ عورت کے اسلام قبول کرتے ہی ان دونوں کا نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ عورت کی عدت ختم ہونے تک باقی رہتا ہے چنانچہ علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"یعنی مجرد اسلام سے نکاح فسخ ہوجائے گا اگرچہ ایک گھڑی کا تقدم ہو اور تأخر ہو امام ابو حنیفہ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے اور امام بخاریؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن اہل حدیث کا قول یہ ہے کہ عدت پوری ہونے تک فسخ نہ ہوگا، اگر عدت کے اندر خاوند بھی مسلمان ہوجائے تو نکاح باقی رہے گا امام مالک امام شافعی اور ہمارے امام احمد بن حنبل نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہے"[1]

(۴۵) امام بخاریؒ کے نزدیک قربانی صرف دس ذی الحجہ کے دن کرنی چاہئے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۸۳۳ پر ایک باب اس طرح قائم فرمایا ہے "باب مَنْ قال الاضحی یوم النحر" اس شخص کی دلیل کے بیان میں جو کہتا ہے کہ قربانی دسویں ذی الحجہ کو کرنی چاہئے،

امام بخاریؒ کے قائم کردہ اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک قربانی فقط ایک دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو کرنی چاہئے، شارح بخاری علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تشریح میں متعدد احتمالات ذکر کر کے ایک احتمال یہ ذکر کرتے ہیں۔

"وقیل مراده لاذبح الا فیه خاصة یعنی کما تقدم نقله عمن قال به"[2] کہا گیا ہے کہ امام بخاریؒ کی اپنے اس قائم کردہ باب سے مراد یہ ہے کہ قربانی صرف

---

[1] تیسیر الباری ج ۷ صفحہ ۱۹۹۔ [2] فتح الباری ج ۱۰ صفحہ ۸

دسویں ذی الحجہ کے دن ہی جائز ہے، یعنی جیسے پیچھے گزرا کہ کچھ حضرات صرف دسویں ذی الحجہ کے دن ہی قربانی کے قائل ہیں (ایسے ہی امام بخاریؒ بھی صرف دسویں ذی الحجہ کے دن ہی قربانی کے قائل ہیں)	....

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کو ذکر کر کے اس کی تردید نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک یہ قول صحیح ہے۔

لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ کے اس موقف کے خلاف ایک دن کے بجائے چار دن قربانی کرنے کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ مُشاہَدْ ہے اس سلسلہ میں ان حضرات نے بہت سے رسائے بھی لکھے ہیں جو عام ملتے ہیں۔

(۳۶)حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قربانی عید گاہ میں کرتے تھے:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۸۳۳ پر ایک باب اس طرح قائم کیا ہے "باب الاضحی والمنحر بالمصلی" "قربانی عیدگاہ میں کرنی چاہئے" اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں

(۱)"عن نافع قال کان عبد الله ینحر فی المنحر ،قال عبید الله : یعنی منحر النبی صلی الله علیه وسلم "	حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ قربان گاہ میں نحر کرتے تھے ،عبید اللہ کہتے ہیں قربان گاہ سے مراد وہی قربان گاہ ہے جو حضور علیہ السلام کی تھی۔

(۲)"عن نافع ان ابن عمر اخبره قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یذبح و ینحر بالمصلیٰ"

حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ انھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ رسول اکرم ﷺ عیدگاہ میں ذبح اور نحر کیا کرتے تھے،

امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب اور ذکر کردہ احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ قربانی عیدگاہ میں کرنی چاہئے جیسا کہ حضور علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول تھا، لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب اور ذکر کردہ احادیث کے خلاف گھروں میں قربانی کرتے ہیں، کوئی ایک غیر مقلد بھی عیدگاہ میں قربانی کرتا نظر نہیں آتا۔

(۴۷) قربانی فقط تین دن جائز ہے اس سے زیادہ نہیں:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۸۳۵ پر متعدد احادیث ذکر کی ہیں جن سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قربانی صرف تین دن جائز ہے زیادہ نہیں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں

(۱)"عن سلمة بن الاکوع قال قال النبی صلی الله علیه وسلم من ضحیٰ منکم فلا یصبحنّ بعد ثالثة وبقی فی بیته منه شیئی "الحدیث

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو قربانی کرے پس تیسری رات کے بعد ہرگز اس حالت میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا موجود ہو۔

(۲)"عن عائشة قالت اَلضَّحِیَّةُ کنا نُمَلِّحُ منها فنقدم به الی النبی صلی الله علیه وسلم بالمدینة فقال لا تأکلوا الّا ثلثة ایام ولیست بعزیمة ولکن اراد ان یطعم منه والله اعلم"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قربانی کے گوشت کو ہم نمک لگا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے مدینہ منورہ میں، نبی علیہ السلام نے فرمایا: تین دن کے علاوہ قربانی کا گوشت نہ کھایا کرو، حضرت عائشہؓ کا خیال ہے کہ یہ فیصلہ لازمی نہیں تھا بلکہ ارادہ یہ تھا کہ دوسرے بھی گوشت کھائیں۔

(۳) "قال ابو عبید ثم شهدته مع علی بن ابی طالب فصلی قبل الخطبة ثم خطب الناس فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهاکم ان تأکلوا لحوم نسککم فوق ثلث الحدیث

ابو عبیدؒ نے کہا کہ پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی انہوں نے بھی پہلے نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطبہ سنایا: فرمایا رسول اکرم ﷺ نے تم لوگوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھ کر کھاؤ۔

(۴) "عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کلوا من الاضاحی ثلاثاً و کان عبد الله یا کل بالزیت حین ینفر من منی من اجل لحوم الهدی"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قربانیوں کا گوشت تین دن کھایا کرو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب منیٰ سے مکہ مکرمہ واپس آتے تو زیتون کا تیل (روٹی) کے ساتھ استعمال کرتے گوشت کا سالن استعمال نہ کرتے کہ کہیں قربانیوں کا گوشت نہ ہو

امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ان چاروں احادیث مبارکہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ قربانی فقط تین دن جائز ہے اس سے زیادہ نہیں اس لئے کہ ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تین دن قربانی کے گوشت کے کھانے کی اجازت دی تین دن سے زیادہ گوشت رکھنے کو منع فرمایا، سیدھی سی بات ہے کہ جب تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنا منع ہوا تو تین دن کے بعد قربانی کیسے جائز ہوگی۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی (م: ۶۲۰ ھ) قربانی کے صرف تین دن جائز ہونے پر دلیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"ولنا ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلاث و لا یجوز

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانیوں کے گوشت کو تین دن سے زیادہ گھر میں رکھنے سے منع فرمایا ہے، پھر ایسے

الذبح فی وقت لایجوز ادخار الاضحیۃ الخ"۔[1] وقت میں قربانی کرنا کیسے جائز ہوگا جس میں قربانی کا گوشت رکھنا ہی جائز نہ ہو۔

لیکن غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کی مذکورہ چاروں حدیثوں کے خلاف چوتھے دن بھی قربانی کرنا جائز سمجھتے ہیں نہ صرف جائز بلکہ چوتھے دن قربانی کرنا احیاء سنت شمار کرتے ہیں، اس سلسلہ میں بھی غیر مقلدین نے متعدد رسالے لکھے ہیں جو بازار میں مل جاتے ہیں، یاد رہے کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت بعد میں ختم ہوگئی تھی، البتہ قربانی کرنے کا حکم بدستور تین دن تک کے لئے باقی رہا جیسا کہ دیگر احادیث اور اُن کی شروح میں مفصلاً مذکور ہے

(۴۸) ڈاڑھی کہاں تک رکھنی مسنون ہے؟

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۸۷۵ پر یہ حدیث شریف ذکر فرمائی ہے

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خالفوا المشرکین وَفِّرُوا اللُّحی وَاَحْفُوا الشوارب و کان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فَضَلَ اَخَذَہٗ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر جتنی مٹھی سے زیادہ ہوتی اُسے کاٹ دیتے۔

حضرت امام بخاریؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو نقل کرنے کے فوراً بعد جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کو ایک مُشت تک بڑھانے کا حکم ہے اور ڈاڑھی ایک مُشت تک رکھنا مسنون ہے اس سے زیادہ مسنون نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہایت متبع سنت صحابی تھے اور منشاء رسالت کو خوب سمجھتے تھے، لہٰذا اگر ایک مُشت سے زیادہ ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہوتا اور ایک مُشت سے زیادہ ڈاڑھی رکھنا مسنون ہوتا تو ناممکن تھا کہ آپ اپنی ڈاڑھی کو اُس کی حالت پر نہ چھوڑتے

---

[1] المغنی لابن قدامہ ج ۸ صفحہ ۶۳۸

اور ایک مُشت سے زیادہ کٹوا دیا کرتے، پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی (ڈاڑھیاں بڑھاؤ مونچھیں کٹواؤ) کو حضور علیہ السلام سے حضرت ابن عمرؓ ہی نقل کر رہے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ڈاڑھی بڑھانے سے متعلق معلوم ہو آپ اُسے آگے نقل بھی کریں اور پھر قبضہ سے زائد ڈاڑھی کٹوا کر اس کی مخالفت بھی کریں، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ فعل حج وعمرہ کے موقع پر کیا جو لوگوں کے اجتماع کا موقع ہوتا ہے لیکن آپ کے اس فعل پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ ابن عمرؓ تم حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کی مخالفت کے مرتکب ہو رہے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام جو مزاج شناسِ رسول تھے (ﷺ) اُن کے نزدیک منشاء رسالت یہی تھا کہ ڈاڑھی ایک مُشت تک ہی رکھی جائے تا کہ ارشاد رسول ﷺ پر بھی عمل ہو جائے اور چہرہ کا حسن و جمال بھی باقی رہے، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں

"قلت الذی یظھر ان ابن عمر کان لایخص ھذا التخصیص بالنسك بل کان یحمل الامر بالاعفاء علیٰ غیر الحالة التی تشوہ فیھا الصورة بافراط طول شعر اللحیة او عرضه فقد قال الطبری، ذھب قوم الی ظاھر الحدیث فکر ھو اتناول شیئی من اللحیة من طولھا ومن عرضھا: وقال قوم اذا زاد علی القبضة یؤخذ الزائد ثم ساق بسنده الی ابن عمر انه فعل

میں کہتا ہوں کہ جو بات ظاہر ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا ڈاڑھی کو کٹوانا اور بقدر ایک مشت کے رکھنا یہ حج وعمرہ کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ وہ ڈاڑھی کے بڑھانے کے حکم کو اس حالت پر محمول کرتے تھے کہ ڈاڑھی طول وعرض میں زیادہ بڑھ کر صورت کو بھدی اور بدنما نہ کر دے، امام طبریؒ کا کہنا ہے کہ ایک قوم ظاہر حدیث کی طرف گئی ہے اور ڈاڑھی کے طول وعرض سے کٹوانے کو مکروہ سمجھتی ہے اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ جب ڈاڑھی ایک مشت سے بڑھ جائے تو زائد کو کٹوا دینا چاہئے

ذالك والیٰ عمرانه فعل ذالك برجل ومن طريق ابی هريرة انه فعله [1]

طبریؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایسا کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی ایک شخص کے ساتھ ایسے کیا تھا اور حضرت ابوھریرہؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

علامہ ابن حجرؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما حضور علیہ السلام کے فرمان کا یہ مطلب لیتے تھے کہ ڈاڑھی اتنی بڑھاؤ کہ چہرہ کا حسن برقرار رہے نہ اتنی کہ شکل وصورت بگڑ کر بھدی اور بدنما لگنے لگے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جن کی ڈاڑھی قدر قُبضہ ہوتی ہے وہ خوبصورت لگتی ہے اور جن کی بہت لمبی ہوتی ہے وہ بدنما لگتی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قدر قُبضہ تک ڈاڑھی رکھنے کا عمل صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کا نہیں ہے بلکہ اُن کے والد حضرت عمرؓ اور حضرت ابوھریرہؓ کا بھی یہی عمل تھا۔

لیکن غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کی ان احادیث کے خلاف کچھ تو بالکل ڈاڑھی منڈواتے ہیں کچھ ایک مشت سے کم رکھتے ہیں اور کچھ ایک مشت سے اس قدر زیادہ بڑھا دیتے ہیں کہ وہ استہزاء وتمسخر کا باعث بن جاتی ہے اور اس پر مستزادیہ کہ اسے سنت سمجھتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں، غیر مقلدین کا یہ طرزِ عمل مُشاہَد ہے جس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(۴۹) امام بخاریؒ کے نزدیک مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۹۲۶ پر پہلے یہ باب قائم فرمایا "باب المصافحة" جس سے مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت کیا اس کے بعد معاً دوسرا باب اس طرح قائم فرمایا: "باب الاخذ باليدين و صافح حمادُ بن زيد ابن المبارك بيديه" علامہ وحید الزماں صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں "باب مصافحہ دونوں

---

[1] فتح الباری ج ۱۰ صفحہ ۳۵۰

ہاتھوں سے کرنا، حماد بن زید نے عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا"[1]

اس ترجمۃ الباب سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے اس لئے کہ انہوں نے صرف باب المصافحہ پر اکتفاء نہیں فرمایا کیونکہ اس سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کی صراحت نہیں ہوتی اگر صرف اس پر اکتفاء فرماتے تو ہو سکتا تھا کہ کوئی صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت سمجھ بیٹھتا اس احتمال کو قطع کرنے کے لئے حضرت امام بخاریؒ نے دوسرا باب قائم کیا اور بتلایا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کو کوئی سنت نہ سمجھے، مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا سنت ہے، اسلاف کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا کرتے تھے، چنانچہ حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ پیچھے آپ امام بخاریؒ کی سوانح میں پڑھ چکے ہیں کہ امام بخاریؒ نے فرمایا "میرے والد نے امام مالک سے سماع حاصل کیا، حماد بن زید کو دیکھا اور عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا" لیکن امام بخاریؒ کے اس موقف اور اُن کی استدلال میں پیش کردہ حدیث اور اسلاف کے عمل کے خلاف غیر مقلدین اس پر مصر ہیں کہ مصافحہ صرف ایک ہی ہاتھ سے سنت ہے، چنانچہ علامہ حمید اللہ میرٹھی صاحب ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد حمد و صلوۃ کے واضح ہو کہ مصافحہ کے بارے میں اگرچہ رواج تو ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اکثر آدمی دونوں ہاتھ سے کرتے ہیں اور اسی کو اچھا بھی سمجھتے ہیں لیکن حدیثوں کی رو سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہوتا ہے"[2]

اسی فتوے میں آگے چل کر موصوف تحریر فرماتے ہیں

"اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ میں سنت طریقہ یہی ہے کہ ایک ہاتھ سے کیا جاوے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نہیں ہے"[3]

یہ فتویٰ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کا مصدقہ ہے اس فتوے کی تائید مولانا

---

[1] تیسیر الباری ج ۸ صفحہ ۱۷۸ ـ [2] فتاویٰ نذیریہ ج ۳ صفحہ ۳۱۷ ـ [3] ایضاً صفحہ ۳۱۹

عبدالرحمٰن مبارک پوری نے بھی کی ہے وہ اس کی تائید میں لکھتے ہیں

''ھو الموفق جواب صحیح ہے بے شک مصافحہ کا طریقہ مسنون یہی ہے کہ ایک ہاتھ سے یعنی داہنے ہاتھ سے کیا جاوے اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں''[ل]

(۵۰) نماز میں جلسہء استراحت مسنون نہیں:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۹۸۶ پر ایک حدیث شریف ذکر فرمائی ہے جو درج ذیل ہے

''عن ابی ھریرة ان رجلاً دخل المسجد یصلی و رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی ناحیة المسجد فجاء فسلم علیه فقال له ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصلی ثم سلم فقال وعلیك ارجع فصل فانك لم تصل قال فی الثالثة فاعلمنی قال اذا قمت الی الصلوٰة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فکبر واقرا بما تیسر معك من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع رأسك حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی و تطمئن جالسا ثم ......

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے وہ شخص نماز سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آیا اور سلام کیا آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ واپس گیا اور دوبارہ نماز پڑھ کر پھر آپ کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی تیسری مرتبہ اس شخص نے عرض کیا مجھے (نماز کا طریقہ) بتلا دیجئے آپ نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے اچھی طرح وضوء کرو پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو اور جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو

ل فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۳۲۰

اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی[1] قائما ثم افعل ذالک فی صلوتک کلها	پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر اطمینان سے (دوسرا) سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اسی طرح تمام نماز میں کرو،

بخاری شریف کی اس صحیح ،صریح مرفوع قولی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز میں جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایک شخص کو نماز کا طریقہ تعلیم فرما رہے ہیں آپ اسے رکوع وسجود سے اُٹھنے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں لیکن جلسہ استراحت کا کوئی تذکرہ تو کیا اشارہ بھی نہیں فرماتے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نماز میں جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے ورنہ آپ اس شخص کو اس کی تعلیم بھی دیتے، رہی وہ روایت جس سے آپ کا جلسہ استراحت کرنا معلوم ہوتا ہے تو اس کو حالتِ عذر پر محمول کیا جائے گا تا کہ آپ کے قول وفعل میں تعارض لازم نہ آئے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی جگہ بظاہر قول وفعل میں تعارض ہو تو محدثین کے نزدیک وہاں قول کو ترجیح ہوتی ہے اور فعل کی کوئی توجیہ کی جاتی ہے۔

بخاری شریف ج اصفحہ ۱۱۳ میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث درج فرمائی ہے

"عن ایوب عن ابی قلابۃ ان مالک بن الحویرث قال لاصحابہ الا انبئکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وذاک فی غیر حین صلوۃ فقام ثم رکع فکبر ثم	حضرت ایوب سختیانی" حضرت ابو قلابہ" سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتلاؤں؟ حضرت ابو قلابہ" کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض نماز کا وقت نہ تھا

[1] یاد رہے کہ بخاری شریف کے ایک مقام پر یہ لفظ جالسا بھی آیا ہے لیکن محدثین کا کہنا ہے کہ یہ لفظ محفوظ نہیں صحیح روایت قائما ہی ہے دیکھئے فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۷۹

رفع رأسه فقام هنية ثم سجد ثم رفع رأسه هنية ثم سجد ثم رفع رأسه هنية فصلى صلوٰة عمرو بن سلمة شيخنا هذا قال ايوب كان يفعل شيأ لم ارهم يفعلونه كان يقعد في الثالثة او الرابعة"

چنانچہ آپ کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور تکبیر کہی پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر آپ نے (دوسرا) سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے غرض انھوں نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی، حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ عمرو بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ خیر القرون (صحابہ، تابعین و تبع تابعین) کے دور میں جلسہ استراحت کو سنت نہیں سمجھا جاتا تھا اسی لئے اس کا رواج نہیں تھا وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب سختیانیؒ (م:۱۳۱ھ) جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو دیکھا ہے انہوں نے حضرت مالک بن حویرثؓ کی وہ حدیث جس میں ان کے جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے بیان کی تو فرمایا کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ جیسی نماز پڑھی، عمرو بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے لوگوں (یعنی صحابہ و تابعین) کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ عمرو بن سلمہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے گویا جلسہ استراحت کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دور میں جلسہ استراحت کا بالکل رواج نہیں تھا ورنہ اس کے بارے میں حضرت ایوب سختیانیؒ یہ نہ فرماتے کہ میں نے یہ صحابہ و تابعین کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن بخاری شریف کی ان احادیث کے خلاف غیر مقلدین

حضرات کا کہنا ہے کہ جلسہ استراحت مستحب بلکہ سنت ہے چنانچہ نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

''وجلسہ، اسراحت سنت است''[1]

اور جلسہ استراحت سنت ہے۔

نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں

''ویستحب ان یجلس جلسة خفیفة بعد السجدة الثانیة''[2] اور دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (جلسہ استراحت کرنا) سنت ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب تحریر فرماتے ہیں

''یہ جلسہ واجب نہیں سنت ہے''[3]

(۵۱) قیاس مجتہد حجت ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۱۰۸۸ پر ایک باب اس طرح قائم فرمایا ہے ''من شبّہ اصلاً معلومًا باصل مبین قد بین اللہ حکمھا لیفھم السائل'' ایک امر معلوم کو دوسرے امر واضح سے تشبیہ دینا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے تاکہ پوچھنے والا سمجھ جائے، اس باب کے تحت حضرت امام بخاریؒ نے درج ذیل دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ''عن ابی ھریرة ان اعرابیا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان امرأتی ولدت غلاما اسود وانی انکرتہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل لک من ابل قال نعم قال فما الوانھا

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری بیوی نے ایک کالا بچہ جنا ہے جسے میں اپنا نہیں سمجھتا حضور علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس اونٹ ہیں بولا ہاں ہیں آپ نے فرمایا ان کا

---

[1] عرف الجادی صفحہ ۳۰ [2] نزل الابرار ج ۱ صفحہ ۸۱ [3] رسول اکرم کی نماز صفحہ ۸۳

قیاس کرنا جائز ہے پہلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے انسانوں میں رنگ کی تبدیلی کو حیوانوں میں رنگ کی تبدیلی پر قیاس فرمایا ہے اور دوسری حدیث سے ظاہر ہورہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے قرض کی ادائیگی کو انسانوں کے قرضہ پر قیاس فرمایا ہے کہ جب انسانوں کے قرضہ کی ادائیگی ضروری ہے تو اللہ کے قرضہ کی ادائیگی بطریق اولی ضروری ہوگی، امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کی تشریح میں علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

"اسی کو قیاس کہتے ہیں، باب کی دونوں حدیثوں سے قیاس کا جواز نکلتا ہے لیکن ابن مسعودؓ نے صحابہ میں سے اور عامر شعبی اور ابن سیرین نے فقہاء میں سے قیاس کا انکار کیا ہے، باقی تمام فقہاء نے قیاس کے جواز پر اتفاق کیا ہے جب اس کی ضرورت ہو اور جمہور صحابہ اور تابعین سے قیاس منقول ہے اور اوپر جو امام بخاری نے رائے اور قیاس کی مذمت بیان کی ہے اس سے مراد وہی قیاس اور رائے ہے جو فاسد ہو لیکن قیاس صحیح شرائط کے ساتھ وہ بھی جب حدیث اور قرآن میں وہ مسئلہ صراحت کے ساتھ نہ ملے اکثر علماء نے جائز رکھا ہے اور بغیر اس کے کام چلنا دشوار ہے"[1]

لیکن امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب اور مذکورہ احادیث کے خلاف غیر مقلدین حضرات حجیتِ قیاس کے منکر ہیں وہ اسے جائز نہیں سمجھتے بلکہ اسے کارِ شیطان قرار دیتے ہیں اُن کا کہنا ہے "اہل حدیث کے دو اصول = اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" وہ رات دن احناف کو اہل الرائے والقیاس کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتے ہیں

نواب نور الحسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں

"و بعد ازاں کہ اجماع چیزی نیست قیاس مصطلح کہ آنرا دلیل رابع قرار دادہ اند خود مکفی المؤنۃ شدو

---

[1] تیسیر الباری ج ۹ صفحہ ۳۳۹

نماند مگر آنکه ادله دین اسلام وملتِ حقه خیر الانام منحصر در دو چیز ست یکی کتابِ عزیزودیگر سنتِ مطہره وما ورائے ایں ہر دو کدام حجت نیّره وبرہانِ قاطع نیست "[1]

اور جب کہ اجماع کی کوئی حیثیت نہیں تو قیاسِ مصطلح جسے (فقہانے) چوتھی دلیل قرار دیا ہے خود ہی اس کی ضرورت پوری ہوگئی اور وہ کچھ نہ رہا سوائے اس کے کہ دین اسلام اور خیر الانام کی ملت حقہ کی دلیلیں دو چیزوں میں منحصر ہیں نمبر ۱ کتاب اللہ نمبر ۲ سنتِ مطہرہ اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی حجتِ نیرہ اور برہان قاطع نہیں ہے۔

نواب وحید الزماں صاحب جو بخاری شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "بغیر اس کے کام چلنا دشوار ہے" وہ اپنی کتاب میں اپنے عقائد کے تحت رقم طراز ہیں

"واصول الشرع اثنان الكتاب والسنة وزادبعضهم الاجماع مطلقا والقياس الصحيح ايضا والحق ان الاجماع الظنى والقياس ليستا بحجتين ملزمتين ولكن مظهرتان اقناعيتان "[2]

اصول شرع دو ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ، بعضوں نے مطلقاً اجماع وقیاس صحیح کا بھی اضافہ کیا ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ اجماعِ ظنی اور قیاس دونوں حجتِ ملزمہ نہیں ہیں البتہ یہ دونوں مظہر اور اقناعی ہیں۔

(۵۲) اجماع حجت ہے:

حضرت امام بخاریؒ بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۱۰۸۹ پر ایک باب قائم فرماتے ہیں "بابُ ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحضّ علی اتفاق اھل العلم وما

---

[1] عرف الجادی صفحہ ۳۔ [2] ہدیۃ المہدی ج ۱ صفحہ ۸۲

اجمع علیه الحرمان مکة والمدینة الخ " آنحضرت ﷺ نے عالموں کے اتفاق کرنے کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی ترغیب دی ہے اور مکہ اور مدینہ کے عالموں کے اجماع کا بیان (ترجمہ: علامہ وحید الزماں)

امام بخاریؒ کے قائم کردہ اس باب سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک اجماع امت حجت ہے بالخصوص علماء حرمین شریفین کا اجماع، یہی جمہور کا مسلک ہے۔

لیکن امام بخاریؒ کے اس موقف کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک اجماع امت حجت نہیں ہے جیسا کہ پیچھے باحوالہ گزرا، ایک حوالہ مزید نواب صدیق حسن خان صاحب کا ملاحظہ فرماتے چلیں، نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں

" وخلاف است در امکان اجماع فی نفسه وامکان علم بداں وامکان نقل آں بسوئے ما وحق عدم اوست، وبر تقدیر تسلیم ایں ہمه خلاف است در آنکه حجت شرعی است یا نه، مذہب جمہور حجیت اوست و دلیل بر آں نزد اکثر سمع است فقط نه عقل، وحق عدم حجیت اوست واگر تسلیم کنیم که حجت است وعلم بداں ممکن پس اقصی ما فی الباب آنست که مجمع علیه حق باشد ولازم نمی آید ازیں وجوب اتباع او۔

اور فی نفسہ اجماع کے ممکن ہونے میں، اس کے علم کے ممکن ہونے میں اور ہماری طرف اس کے منتقل ہونے میں اختلاف ہے، حق بات یہ ہے کہ یہ کچھ بھی ممکن نہیں اور ان سب کو مان لینے کی صورت میں پھر بھی ان سب میں اختلاف ہے کہ اجماع شرعی حجت بھی ہے یا نہیں، جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس پر اکثر کی دلیل فقط نقل ہے نہ کہ عقل، حق بات یہ ہے کہ اجماع حجت نہیں اور اگر ہم مان بھی لیں کہ اجماع حجت ہے اور اس کا علم ممکن ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جس چیز پر اجماع ہوا ہے وہ حق ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا اتباع بھی واجب ہو۔

لے افادۃ الشیوخ صفحہ ۱۲۱

یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات اجماعی مسائل کی بھی پروانہیں کرتے، غیر مقلدین زمانہ کے بارے میں یہ شکایت صرف ہمیں ہی نہیں ان کے بڑوں کو بھی ہے چنانچہ نواب وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تیئں اہلحدیث کہتے ہیں انھوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہلحدیث کا یہ حال ہے کہ انھوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہلحدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے، باقی اور آداب اور سنن اور اخلاقِ نبوی سے کچھ مطلب نہیں غیبت، جھوٹ، افتراء سے باک نہیں کرتے، ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضراتِ صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں اور اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں''[1]

(۵۳) اجتہاد جائز ہے:

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۱۰۹۲ پر ایک باب اس طرح قائم فرمایا ہے ''باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ'' اگر کوئی حاکم اجتہاد کرے پھر چاہے اس کا اجتہاد درست ہو یا اس سے خطا ہو جائے بہر حال اسے اجر ملے گا، امام بخاریؒ نے اس باب کے تحت یہ حدیث شریف ذکر فرمائی ہے

---

[1] لغات الحدیث ج ۲ صفحہ ۹۱ کتاب ش

عن عمرو بن العاص انه سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول "اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر"	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کو سنا آپ فرمارہے تھے کہ جب کوئی حاکم اجتہاد کرکے کوئی حکم دے پھر وہ حکم صواب اور درست ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے اور جب کوئی حاکم اجتہاد کرکے کوئی حکم دے اور اس میں اس سے غلطی ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب اور اس میں ذکر کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ امت مسلمہ کے مجتہدین کے لیے اجتہاد جائز ہے پھر اگر مجتہد کا اجتہاد درست وصواب ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس سے خطا ہو جائے تو ایک اجر ہے اس حدیث شریف اور اس جیسی دیگر بہت سی احادیث کے تحت ائمہ مجتہدین نے بہت سے مسائل جو کتاب وسنت میں منصوص نہ تھے اُن میں اجتہاد کیا اور امت نے اُن پر عمل کیا، لیکن امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب اور ذکر کردہ حدیث شریف کے خلاف غیر مقلدین حضرات ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے سخت مخالف ہیں اور اپنی جہالت کی بناء پر اُن کے اجتہادات کو کتاب وسنت کے خلاف بتلاتے ہیں،

حیرت کی بات ہے کہ غیر مقلدین حضرات ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے تو خلاف ہیں ان کو تو ماننے کے لئے تیار نہیں لیکن خود مجتہد بنے ہوئے ہیں اور ضَلُّوا فَاَضَلُّوا کے مصداق خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

قارئین محترم! مضمون کی طوالت کے پیش نظر ہم حضرت امام بخاریؒ کے اجتہادات اور بخاری شریف کی وہ احادیث جن پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے ان کی فہرست یہیں پر ختم کرتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بس اتنے ہی اجتہادات اور احادیث ہیں جن پر غیر مقلدین عامل نہیں بلکہ امام بخاریؒ کے پچاسیوں اجتہادات اور ان کی ذکر کردہ

پچاسیوں احادیث مزید ایسی ہیں جن پر غیر مقلدین کا عمل نہیں چار پانچ کی طرف تفصیل میں جائے بغیر صرف اشارہ کئے دیتے ہیں۔

(۱) بخاری شریف ج اصفحہ ۳۳ میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام ایک مد پانی سے وضوء کرتے تھے لیکن غیر مقلدین کا اس پر عمل نہیں۔

(۲) بخاری شریف ج اصفحہ ۳۹ میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک صاع پانی سے غسل کرتے تھے لیکن غیر مقلدین کا اس پر کوئی عمل نہیں۔

(۳) بخاری شریف ج اصفحہ ۵۱ پر حدیث ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا لیکن غیر مقلدین کا اس پر عمل نہیں ہم نے کسی کو آج تک ایک کپڑے میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

(۴) بخاری شریف ج اصفحہ ۷۴ پر ایک باب ہے "باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه فى الصلوٰة" ہم نے آج تک کسی غیر مقلد کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

(۵) بخاری شریف ج اصفحہ ۱۲۷ میں ہے کہ حضور علیہ السلام جمعہ کے دو خطبے ارشاد فرماتے تھے دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے لیکن غیر مقلدین حضرات عربی کا صرف ایک خطبہ پڑھتے ہیں درمیان میں بیٹھتے بھی نہیں، یاد رہے کہ ان حضرات کی اردو تقریر کو خطبہ ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ حضور علیہ السلام سے عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں جمعہ کا خطبہ ثابت نہیں۔

قارئین محترم! ہماری پیش کردہ تفصیلات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ غیر مقلدین حضرات امام بخاریؒ سے عقیدت ومحبت اور بخاری شریف پر عمل کے دعوے میں کس قدر سچے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات بخاری شریف پر عمل کا زبانی طور پر دعوی تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا بخاری شریف پر عمل نہیں، یہ تو صرف چند اختلافی مسائل کی وجہ سے بخاری پر عمل کا دم بھرتے ہیں اور کچھ نہیں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ان حضرات کو ہدایت نصیب فرمائے اور سادہ لوح عوام کو گمراہ ہونے سے بچائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

غیر مقلدین حضرات بعض
متنازع مسائل سے متعلق چند احادیث
سادہ لوح عوام کو دکھا کر انھیں یہ باور کرانے کی
کوشش کرتے ہیں کہ حدیث پر فقط اہلحدیث عمل کرتے
ہیں اور کوئی نہیں، اور حنفی لوگ تو حدیث کے خلاف عمل کرتے
ہیں اور ان کے پاس احادیث ہیں ہی نہیں، اس صورتحال کے
پیش نظر اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دی
جائے جس میں ان احادیث کو جمع کیا جائے جن پر احناف عمل کرتے
ہیں اور غیر مقلدین ان پر عمل کرنا تو کجا ان کے خلاف عمل کرتے ہیں
حدیث اور اہلحدیث میں اسی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ الحمدللہ
اس کتاب میں نماز کے ۷۹ مسائل سے متعلق کثیر تعداد
میں احادیث مبارکہ ذکر کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ احناف
احادیث پر عمل کرتے ہیں اور غیر مقلدین کا
پروپیگنڈا بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔